ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

ISSN: 20491131

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

اکتوبر 2025ء | اخاء 1404 ہجری شمسی | ربیع الثانی 1447 ہجری قمری | جلد 14 نمبر 10

اس شمارہ میں

- سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛
  تعارف کتاب: سیرت ابن اسحاق
- اسلام کی تعلیم کا بنیادی کمال: "اعتدال و حکمت کی تعلیم"
- تعارف کتاب؛ براہین احمدیہ حصہ چہارم
- کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کشمیر میں حضرت مسیح ناصریؑ کی قبر کا علم الہاماً دیا گیا تھا؟
- ردّ دہریت: زمین پر زندگی کی ابتداء اور خدا کا "ہاتھ" (قسط دوم)

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib

ماہنامہ موازنۂ مذاہب

جلد14 شمارہ 10 اخا 1404ھجری شمسی، ربیع الثانی 1447 ھجری قمری بمطابق **اکتوبر** 2025ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	اداریہ؛ خلافت کی عظمت واہمیت	2
2	ارشاد باری تعالیٰ : خدا تعالیٰ سے محبت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی	8
3	ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت	9
4	امام الکلام : خدا کے وجود کا پتہ دینے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں	10
5	کلام الامام ؛ انبیاء انسان کو راستے دکھاتے ہیں : امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	11
6	خدا تعالیٰ کی ہستی کی ایک دلیل	12
7	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ تعارف کتاب: سیرت ابن اسحاق: ابو اشعر	17
8	اسلام کی تعلیم کا بنیادی کمال؛ "اعتدال و حکمت کی تعلیم" (قسط دوم) : سیّد میر محمود احمد ناصر	41
9	تعارف کتاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام؛ "براہین احمدیہ حصّہ چہارم" : اے۔ ولیم	59
10	کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کشمیر میں حضرت مسیح ناصری ؑ کی قبر کا علم الہاماً دیا گیا تھا؟ : اے۔ آر۔ سدھو	71
11	ردّ دہریت: زمین پر زندگی کی ابتداء اور خدا کا "ہاتھ" (قسط دوم) : وسیمہ اپل (آسٹریلیا)	80

پبلشرز : Additional Wakalat Tasneef

Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS UK
office@tasneef.co.uk

اداریہ:

خلافت کی عظمت واہمیت

ہم اپنے خدائے رحیم و کریم کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے خلافت جیسی عظیم نعمت سے ہمیں نوازا۔ یہ نعمت کوئی معمولی اور چھوٹی نعمت نہیں ہے۔ بہت بڑی نعمت ہے۔ نبوت ورسالت کا گویا ایک تسلسل ہے۔ کیونکہ خلیفہ درحقیقت ظلی طور پر رسول کے کمالات کو ہی اپنے اندر لئے ہوئے ہوتا ہے۔ کیونکہ اصولی طور پر تو بنی نوع انسان کو خدا کے قرب اور حقیقی ودائمی نجات کے لئے ایک نبی اور رسول کی ہی ضرورت رہتی ہے۔ لیکن قانون قدرت ہے کہ نبی آخر کتنی عمر پا سکتا ہے۔ ایک وقت تو آئے گا کہ اس کو اس دنیا سے جانا ہی ہو گا۔ البتہ اس کے دنیا سے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمانیت نے یہ نہ چاہا کہ لوگ پھر دوبارہ گمراہی کے گڑھے میں جا گریں، اور نبوت کے نور سے محروم ہو جائیں۔ لہٰذا بنی نوع انسان کی ہدایت اور نور نبوت کے تسلسل کو جاری رکھنے کے لئے اس نے خلافت کی نعمت سے نوازا اور خاص طور پر امت محمدیہ کے سر پر خلافت کا یہ تاج رکھا۔ لیکن افسوس کہ ابھی تک یہ امت اس نعمت سے محروم ومنکر ہے۔ خلافت کے حصول کے منتظر بھی ہیں، چاہت بھی ہے لیکن سوچتے نہیں کہ یہ نعمت تو ان میں آ بھی چکی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کے ماننے والے اس نعمت سے فیضیاب بھی ہو رہے ہیں۔

چنانچہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیج کر پھر اس کی تائید اور تصدیق کے لئے ضرور انبیاء بھیجا کرتا ہے چنانچہ توریت کی تائید کے لئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا جن کے آنے پر اب تک بائبل شہادت دے رہی ہے۔ اس کثرت ارسال رسل میں اصل بھید یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عہد موکد ہو چکا ہے کہ جو اس کی سچی کتاب کا انکار کرے تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (البقرۃ:40) یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اب جب کہ سزائے انکار کتاب الٰہی میں ایسی سخت تھی اور دوسری طرف یہ مسئلہ نبوت اور وحی الٰہی کا نہایت

دقیق تھا بلکہ خود خداتعالیٰ کا وجود بھی ایسا دقیق در دقیق تھا کہ جب تک انسان کی آنکھ خداداد نور سے منور نہ ہو ہرگز ممکن نہ تھا کہ سچی اور پاک معرفت اس کی حاصل ہو سکے چہ جائیکہ اس کے رسولوں کی معرفت اور اسکی کتاب کی معرفت حاصل ہو۔ اس لئے رحمانیت الٰہی نے تقاضا کیا کہ اندھی اور نابینا مخلوق کی بہت ہی مدد کی جائے اور صرف اس پر اکتفانہ کیا جائے کہ ایک مرتبہ رسول اور کتاب بھیج کر پھر باوجود امتدادازمنہ طویلہ کے ان عقائد کے انکار کی وجہ سے جن کو بعد میں آنے والے زیادہ اس سے سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ایک پاک اور عمدہ منقولات ہیں ہمیشہ کی جہنم میں منکروں کو ڈال دیا جائے اور درحقیقت سوچنے والے کے لئے یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ وہ خدا جس کا نام رحمٰن اور رحیم ہے اتنی بڑی سزا دینے کے لئے کیونکر یہ قانون اختیار کر سکتا ہے کہ بغیر پورے طور پر اتمام حجت کے مختلف بلاد کے ایسے لوگوں کو جنہوں نے صدہا برسوں کے بعد قرآن اور رسول کا نام سنا اور پھر وہ عربی سمجھ نہیں سکتے۔ قرآن کی خوبیوں کو دیکھ نہیں سکتے دائمی جہنم میں ڈال دے اور کس انسان کی کانشنس اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بغیر اس کے کہ قرآن کریم کا منجاب اللہ ہونا اس پر ثابت کیا جائے یوں ہی اس پر چھری پھیر دی جائے پس یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا تا وہ ظلی طور پر انوار نبوت پا کر دنیا کو ملزم کریں اور قرآن کریم کی خوبیاں اور اس کی پاک برکات لوگوں کو دکھلاویں۔۔۔ ۔۔۔

انسان نہایت ضعیف اور ہمیشہ تقویت ایمان کا محتاج ہے اور اس راہ میں اپنے خودساختہ دلائل کبھی کام نہیں آسکتے جب تک تازہ طور پر معلوم نہ ہو کہ خدا موجود ہے ہاں جھوٹا ایمان جو بدکاریوں کو روک نہیں سکتا نقلی اور عقلی طور پر قائم رہ سکتا ہے اور اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ دین کی تکمیل اس بات کو مستلزم نہیں جو اس کی مناسب حفاظت سے بکلی دستبردار ہو جائے مثلاً اگر کوئی گھر بنادے اور اس کے تمام کمرے سلیقہ سے طیار کرے اور اس کی تمام ضرورتیں جو عمارت کے متعلق ہیں باحسن وجہ پوری کر دیوے اور پھر مدت کے بعد اندھیریاں چلیں اور بارشیں ہوں اور اس گھر کے نقش و نگار پر گرد وغبار بیٹھ جاوے اور اس کی خوبصورتی چھپ جاوے اور پھر اس کا کوئی وارث اس گھر کو صاف اور سفید کرنا چاہے مگر اس کو منع کر دیا جاوے کہ گھر تو مکمل ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ منع کرنا سراسر حماقت ہے افسوس کہ ایسے اعتراضات کرنے والے نہیں سوچتے کہ تکمیل شے دیگر ہے اور وقتاً فوقتاً ایک مکمل عمارت کی صفائی کرنا یہ اور بات ہے۔ یہ یاد رہے کہ مجدد لوگ دین میں کچھ کمی بیشی نہیں کرتے ہاں گمشدہ دین کو پھر دلوں میں قائم کرتے ہیں اور یہ کہنا کہ مجددوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں خدا تعالیٰ کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے: وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (النور:56) یعنی بعد اس کے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص ان کا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے۔

اب خلاصہ اس تمام تقریر کا کسی قدر اختصار کے ساتھ ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دلائل مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت میں فساد اور فتنوں کے وقتوں میں ایسے مصلح آتے رہیں جن کو انبیاء کے کئی کاموں میں سے یہ ایک کام سپرد ہو کہ وہ دین حق کی طرف دعوت کریں اور ہر یک بدعت جو دین سے مل گئی ہو اس کو دور کریں اور آسمانی روشنی پاکر دین کی صداقت ہر یک پہلو سے لوگوں کو دکھلاویں اور اپنے پاک نمونہ سے لوگوں کو سچائی اور محبت اور پاکیزگی کی طرف کھینچیں اور وہ دلائل یہ ہیں۔

اوّل یہ کہ اس بات کو عقل ضروری تجویز کرتی ہے کہ چونکہ الٰہیات اور امور معاد کے مسائل نہایت باریک اور نظری ہیں گویا تمام امور غیر مرئی اور فوق العقل پر ایمان لانا پڑتا ہے نہ خدا تعالیٰ کبھی کسی کو نظر آیا نہ کبھی کسی نے بہشت دیکھی اور نہ دوزخ کا ملاحظہ کیا اور نہ ملائک سے ملاقات ہوئی اور علاوہ اس کے احکام الٰہی مخالف جذبات نفس ہیں اور نفس امارہ جن باتوں میں لذت پاتا ہے احکام الٰہی ان سے منع کرتے ہیں لہٰذا عند العقل یہ بات نہ صرف احسن بلکہ واجب ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک نبی جو شریعت اور کتاب لے کر آتے ہیں اور اپنے نفس میں تاثیر اور قوت قدسیہ رکھتے ہیں یا تو وہ ایک لمبی عمر لے کر آویں اور ہمیشہ اور ہر صدی میں ہر یک اپنی نئی امت کو اپنی ملاقات اور صحبت سے شرف بخشیں اور اپنے زیر سایہ رکھ کر اور اپنے پُر فیض پروں کے نیچے ان کو لے کر وہ برکت اور نور اور روحانی معرفت پہنچاویں جو انہوں نے ابتداء زمانہ میں پہنچائی تھی اور اگر ایسا نہیں تو پھر ان کے وارث جو انہیں کے کمالات اپنے اندر رکھتے ہوں اور کتاب الٰہی کے دقائق اور معارف کو وحی اور الہام سے بیان کر سکتے ہوں اور منقولات کو مشہودات کے پیرایہ میں دکھلا سکتے ہوں اور طالب حق کو یقین تک پہنچا سکتے ہوں ہمیشہ فتنہ اور فساد کے وقتوں میں ضرور پیدا ہونی چاہیئے تا انسان جو مغلوب شبہات و نسیان ہے ان کے فیض حقیقی سے محروم نہ رہے۔ کیونکہ یہ بات نہایت صاف اور بدیہی ہے کہ جب زمانہ ایک نبی کا اپنے خاتمہ کو پہنچتا ہے اور اس کی برکات کے دیکھنے والے فوت ہو جاتے ہیں تو وہ تمام مشہودات منقولات کے رنگ میں آجاتے ہیں۔

پھر دوسری صدی کے لوگوں کی نظر میں اس نبی کے اخلاق اور اس نبی کے عبادات اور اس نبی کا صبر اور استقامت اور صدق اور صفا اور وفا اور تمام تائیدات الٰہیہ اور خوارق اور معجزات جن سے اس کی صحت نبوت اور صداقت دعویٰ پر استدلال ہوتے تھے نئی صدی کے لوگوں کو کچھ قصے سے معلوم ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ انشراح ایمانی اور جوش اطاعت جو نبی کے دیکھنے والوں میں ہوتا ہے دوسروں میں وہ بات پائی نہیں جاتی ...

تو ضروری ہوا کہ وہ خداوند کریم جس نے ہر ایک کو نجات کے لئے بلایا ہے ایسا ہی انتظام ہر یک صدی کے لئے

رکھے تا اس کے بندے کسی زمانہ میں حق الیقین کے مراتب سے محروم نہ رہیں۔"

(شہادۃ القرآن۔روحانی خزائن جلد6صفحہ341تا347)

بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے اور صحبت صالحین ہی نیک تبدیلی کے لئے ضروری ہے اور اب کسی اور معلم کی ضرورت نہیں۔ تو اس کا جواب دیتے ہوئے اسی جگہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قرآن کے سمجھنے کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو اگر قرآن کے سیکھنے کے لئے معلم کی حاجت نہ ہوتی تو ابتدائے زمانہ میں بھی نہ ہوتی اور یہ کہنا کہ ابتداء میں تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہو گئیں تو اب کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد پھر قابل حل ہو جاتی ہیں ماسوا اس کے امت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات بھی تو پیش آتی ہیں اور قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اس کے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کو حل کرنے والے **روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رسل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں**۔ اور جس مجدد کی کارروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کارروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عند اللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔" (شہادۃ القرآن۔روحانی خزائن جلد6صفحہ348)

"دوم جس طرح پر کہ عقل اس بات کو واجب اور متحتم ٹھہراتی ہے کہ کتب الٰہی کی دائمی تعلیم اور تفہیم کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی طرح وقتاً فوقتاً ملہم اور مکلم اور صاحب علم لدنی پیدا ہوتے رہیں اسی طرح جب ہم قرآن پر نظر ڈالتے ہیں اور غور کی نگہ سے اس کو دیکھتے ہیں تو وہ بھی باآواز بلند یہی فرما رہا ہے کہ روحانی معلموں کا ہمیشہ کے لئے ہونا اس کے ارادہ قدیمہ میں مقرر ہو چکا ہے دیکھو اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے: وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ۔(الرعد: 18) یعنی جو چیز انسانوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ **دنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہنچانے والے گروہ انبیاء ہیں** کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقائق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو دینی نفع پہنچاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دنیا میں کچھ بہت مدت تک نہیں رہتے بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کر کے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہیں لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو۔ پس انبیاء کی طرف نسبت دیکر معنی آیت کے یوں ہوں گے کہ **انبیاء من حیث الظل باقی**

رکھے جاتے ہیں اور خداتعالیٰ ظلی طور پر ہریک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو ان کی نظیر اور مثیل پیدا کر دیتا ہے جو انہیں کے رنگ میں ہو کر ان کی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے اور اسی ظلی وجود کے قائم رکھنے کے لئے خداتعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔(الفاتحہ: 6،7)یعنی اے خدا ہمارے ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے ان بندوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے اور ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ کا انعام جو انبیاء پر ہوا تھا جس کے مانگنے کے لئے اس دعا میں حکم ہے وہ درم اور دینار کی قسم میں سے نہیں بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور تائید سماوی اور قبولیت اور معرفت تامہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے اور خداتعالیٰ نے اس امت کو اس انعام کے مانگنے کے لئے تبھی حکم فرمایا کہ اول اس انعام کے عطا کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔ پس اس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ **خداتعالیٰ اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا انبیاء کا وجود ظلی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو** اور نہ صرف دعا کے لئے حکم کیا بلکہ ایک آیت میں وعدہ بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔(العنکبوت: 70) یعنی جو لوگ ہماری راہ میں جو صراط مستقیم ہے مجاہدہ کریں گے تو ہم ان کو اپنی راہیں بتلادیں گے اور ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ کی راہیں وہی ہیں جو انبیاء کو دکھلائی گئیں تھیں۔

پھر بعض اور آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور خداوند کریم نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ روحانی معلم جو انبیاء کے وارث ہیں ہمیشہ ہوتے رہیں اور وہ یہ ہیں۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ (النور: 56)وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ (الرعد: 32)وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل: 16) یعنی خداتعالیٰ نے تمہارے لئے اے مومنان امت محمدیہ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں بھی وہ زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ تم سے پہلوں کو کیا۔ اور ہمیشہ کفار پر کسی قسم کی کوفتیں جسمانی ہوں یا روحانی پڑتی رہیں گی یا ان کے گھر سے نزدیک آجائیں گی۔ یہاں تک کہ خداتعالیٰ کا وعدہ آپہنچے گا۔ اور خداتعالیٰ اپنے وعدوں میں تخلف نہیں کرتا۔ اور ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک رسول بھیج نہ لیں۔

ان آیات کو اگر کوئی شخص تامل اور غور کی نظر سے دیکھے تو میں کیونکر کہوں کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ جائے کہ **خداتعالیٰ اس امت کے لئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے** اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہہ دینا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر خلافت راشدہ صرف تیس برس تک رہ کر پھر ہمیشہ کے لئے اس کا دور ختم ہو گیا تھا

تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہر گز یہ ارادہ نہ تھا کہ اس امت پر ہمیشہ کے لئے ابواب سعادت مفتوح رکھے کیونکہ روحانی سلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے اور ایسا مذہب ہرگز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنے والے خود اپنی زبان سے ہی یہ اقرار کریں کہ تیرہ سو 1300 برس سے یہ مذہب مرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مذہب کے لئے ہر گز یہ ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نور جو نبی کریم کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

افسوس کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے تدبّر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور **رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو** اس واسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کیلئے تاقیامت قائم رکھے **سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے** پس جو شخص خلافت کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظر انداز کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تو ہر گز نہیں تھا کہ رسول کریمؐ کی وفات کے بعد صرف تیس برس تک رسالت کی برکتوں کو خلیفوں کے لباس میں قائم رکھنا ضروری ہے پھر بعد اس کے دنیا تباہ ہو جائے تو ہو جائے کچھ پرواہ نہیں بلکہ پہلے دنوں میں تو خلیفوں کا ہونا بجز شوکت اسلام پھیلانے کے کچھ اور زیادہ ضرورت نہیں رکھتا تھا کیونکہ انوار رسالت اور کمالات نبوت تازہ بتازہ پھیل رہے تھے اور ہزار ہا معجزات بارش کی طرح ابھی نازل ہو چکے تھے اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اس کی سنت اور قانون سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ بجائے ان چار خلیفوں کے اس تیس برس کے عرصہ تک آنحضرت ﷺ کی عمر کو ہی بڑھا دیتا اس حساب سے تیس برس کے ختم ہونے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل 93 برس کی عمر تک پہنچتے اور یہ اندازہ اس زمانہ کی مقررہ عمروں سے نہ کچھ زیادہ اور نہ اس قانون قدرت سے کچھ بڑھ کر ہے جو انسانی عمروں کے بارے میں ہماری نظر کے سامنے ہے۔

پس یہ حقیر خیال خدا تعالیٰ کی نسبت تجویز کرنا کہ اس کو صرف اس امت کے تیس 30 برس کا ہی فکر تھا اور پھر ان کو ہمیشہ کے لئے ضلالت میں چھوڑ دیا اور وہ نور جو قدیم سے انبیاء سابقین کی امت میں خلافت کے آئینہ میں وہ دکھلاتا رہا اس امت کے لیے دکھلانا اس کو منظور نہ ہوا۔ کیا عقل سلیم خدائے رحیم و کریم کی نسبت ان باتوں کو تجویز کرے گی ہر گز نہیں۔"

(شہادۃ القرآن۔ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 351 تا 354)

ارشاد باری تعالیٰ

خدا تعالیٰ سے محبت اور حضرت محمد ﷺ کی پیروی

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔(آل عمران: 32)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میرے پیچھے پیچھے چلنا اختیار کرو یعنی میرے طریق پر جو اسلام کی اعلیٰ حقیقت ہے قدم مارو تب خدا تعالیٰ تم سے بھی پیار کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 165)

”سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اِس نعمت سے کامل حصّہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سیّد و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا۔ اُس پیروی سے پایا اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اُس نبی ﷺ کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصّہ پا سکتا ہے۔ اور میں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے کہ سچی اور کامل پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

سو یاد رہے کہ وہ قلبِ سلیم ہے یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور دل ایک ابدی اور لازوال لذّت کا طالب ہو جاتا ہے۔ پھر بعد اس کے ایک مصفّٰی اور کامل محبت الٰہی بباعث اس قلبِ سلیم کے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب نعمتیں آنحضرت ﷺ کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:32) یعنی اُن کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے بلکہ یکطرفہ محبت کا دعویٰ بالکل ایک جھوٹ اور لاف و گزاف ہے۔ جب انسان سچے طور پر خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو خدا بھی اُس سے محبت کرتا ہے۔“(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 64،6)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان باب حُبُّ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاِيْمَانِ حدیث: 14)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتا جب تک میں اسے اپنے والد اور اولاد سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔“

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مؤرخہ 10 دسمبر 2004ء۔ خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 889)

امام الکلام

خدا کے وجود کا پتہ دینے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’**خدا کے وجود** کا پتہ دینے والے اور اس کے واحد لاشریک ہونے کا علم لوگوں کو سکھلانے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اگر یہ مقدس لوگ دنیا میں نہ آتے تو صراط مستقیم کا یقینی طور پر پانا ایک ممتنع اور **محال امر تھا**۔ اگرچہ زمین و آسمان پر غور کر کے اور ان کی ترتیب ابلغ اور محکم پر نظر ڈال کر ایک صحیح الفطرت اور سلیم العقل انسان دریافت کر سکتا ہے کہ اس کارخانہ پر حکمت کا بنانے والا کوئی ضرور ہونا چاہئے لیکن اس فقرہ میں کہ ضرور ہونا چاہئے اور اس فقرہ میں کہ واقعی وہ موجود ہے **بہت فرق ہے**۔

واقعی وجود پر اطلاع دینے والے صرف **انبیاء** علیہم السلام ہیں جنہوں نے ہزارہا نشانوں اور معجزات سے دنیا پر وہ ثابت کر دکھایا کہ ذات جو مخفی در مخفی اور تمام طاقتوں کی جامع ہے در حقیقت موجود ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدر عقل بھی کہ نظام عالم کو دیکھ کر صانع حقیقی کی ضرورت محسوس ہو۔ یہ مرتبہ عقل بھی نبوت کی شعاعوں سے ہی مستفیض ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام کا وجود نہ ہوتا تو اس قدر عقل بھی کسی کو حاصل نہ ہوتی۔‘‘

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 114،115)

کلام الامام

انبیاء انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف لے جانے والے راستے دکھاتے ہیں

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"ابتدائے عالم سے ہی شیطان اور انسان کی جنگ شروع ہے اور مذہبی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر پڑنے کے ساتھ ہی شیطان نے جنگ شروع کر دی تھی۔ شدت سے انسانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ اور پھر جو بھی انبیاء کا زمانہ آیا ہر زمانے میں یہ تاریخ دہرائی جاتی رہی، اور دوہرائی جارہی ہے۔ انبیاء جب آتے ہیں تو آکر انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف لے جانے والے راستے دکھاتے ہیں اور شیطان ان میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پہلے بھی کرتا رہا ہے اور اب بھی کرتا ہے۔ مختلف طریقوں، حیلوں، بہانوں، لالچوں اور خوف کے ذریعے سے ڈراتا ہے۔ گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں بے شمار جگہ اس بات کا ذکر آیا ہے۔ انسان اور آدم کی تخلیق کے ساتھ ہی شیطان نے اپنے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ قرآنِ کریم میں سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک شیطان کا ذکر کرکے اللہ تعالیٰ نے اس کے حملوں سے ہوشیار کیا ہے اور بچنے کا حکم دیا ہے اور دعا بھی سکھائی ہے کہ اے اللہ! ہمیں شیطانِ لعین کے حملوں سے بچا اور ہمیں ہر دم اپنی پناہ میں رکھ۔"

(از خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مؤرخہ 28 مئی 2010ء۔ خطبات مسرور جلد 8 صفحہ 246)

ہستی باری تعالیٰ

خدا تعالیٰ کی ہستی کی ایک دلیل

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”**راستباز** اور مامور من اللہ کی صداقت کا بڑا نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو غیب کی خبریں دیتا ہے اور پھر ان خبروں میں ایک طاقت ہوتی ہے جو دوسروں کو نہیں دی جاتی۔ نجومی جو خبریں دیتا ہے۔ ان میں وہ طاقت اور جبروت نہیں ہوتی جو مامور کی خبروں میں ہوتی ہے۔ علاوہ بریں مامور کی خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ فراست اور قیافہ پر ان کی بناء نہیں ہو سکتی۔ مثلاً آنحضرت ﷺ نے مکّی زندگی میں جو بالکل بے سروسامانی اور بیکسی کی زندگی تھی۔ اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ناکامی اور نامرادی کی پیشگوئی کی تھی۔ کیا کوئی عقلمند اور ملکی مدبّر آنحضرت ﷺ کی اس وقت کی حالت کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ شخص کامیاب ہو جائے گا اور وہ قوم جو اس کی مخالفت پر آمادہ ہے۔ ذلّت کے ساتھ نامراد رہے گی؟ پھر دیکھ لو کہ انجام کیا ہوا۔ پس یہ ایک زبردست نشان مامور کو دیا جاتا ہے۔“

(ملفوظات جلد7صفحہ 341,340)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”ہم تو زلزلہ کے وقت آئے تھے کہ باغ میں چل کر دعا کریں۔ اب محض اس وجہ سے ٹھہرے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کے متعلق کچھ اور معلوم ہو جاوے کہ وہ قریب ہے یا دُور۔ اگر معلوم ہوا کہ دور ہے تو پھر ایک ماہ کے بعد واپس چلے جاویں گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ ایسے وقت آئے گا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو گی بلکہ لوگ ہماری تکذیب کر چکے ہوں گے کہ وہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ قرآن شریف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ۔(الانعام:95) یہ

عادت اللہ ہے کہ ایسے وقت عذاب آتا ہے جب لوگ اُسے بالکل بھُول جاتے ہیں۔ ایسا ہی ان الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ چھُپ کر آوٴں گا۔ گویا ہر شخص کا دل یقین کر لے گا کہ ہم نے جھُوٹ بولا ہے بغتۃً کا یہی منشا ہے۔

طبقات الارض والے اور جو تشی سب مل مِلا کر فیصلہ کر دیں کہ کوئی زلزلہ نہیں آئے گا۔ پھر خدا تعالیٰ کی وحی کی اَور بھی عظمت ظاہر ہو گی۔ حقیقت میں اگر وہ بھی یہی رائے دیتے کہ زلزلہ آئے گا تو ہماری بات مشتبہ ہو جاتی اور کمزور سمجھی جاتی۔ لیکن اب تو ان لوگوں نے اقرار کر لیا ہے کہ زلزلہ نہیں آئے گا۔

فرمایا:

اگر اب خدا تعالیٰ چُپ رہے تو پھر دہریہ پن کے سوا کوئی اَور مذہب نہ ہو گا۔ اگر اس وقت اس کی چہرہ نمائی کی ضرورت نہیں ہے تو پھر کب ہو گی؟ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں دعا کی تھی کہ اے اللہ اگر تو نے آج اس گروہ کو ہلاک کر دیا تو پھر تیری کبھی عبادت نہ ہو گی۔ یہی دعا آج ہمارے دل سے بھی نکلی ہے۔ پس یقیناً یاد رکھو کہ اب اگر خدا تعالیٰ دستگیری نہ کرے تو سب ہلاک ہو جائیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اگر نہ ہو تو قطع یقین ہو جاتا ہے۔ بچہ کو اگر دودھ نہ ملے تو وہ کب تک جیئے گا؟ آخر سسک سسک کر مر جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے انقطاعِ امداد ہو تو انسان چونکہ کمزور اور ضعیف ہے جیسا کہ فرمایا: خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا (النساء: 29) پس وہ بھی آخر روحانی طور پر مَر جائے گا۔ اس کی طرف اشارہ کر کے براہین احمدیہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو دنیا میں اندھیر پڑ جاتا۔ اصل یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور اس کے تازہ بتازہ نشان ظاہر ہوتے ہیں تو ایمانی حالت درست اور مضبوط رہتی ہے ورنہ شیطانی علوم نے کچھ ایسا دخل کر لیا ہے کہ وہ دلوں سے قہری سیاست کے بغیر جو آسمان سے اُترتی ہے نِکل ہی نہیں سکتے ان کے لئے ایسی قہری ضرب چاہیئے کہ شیطان چیخ کر نِکل جاوے۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے۔ پس وہ اپنے بندوں پر ان نشانوں کے ذریعہ فضل کر رہا ہے اور اُن کے ایمانوں کو طاقت دے رہا ہے۔

فرمایا:

5 مئی کو میں نے ایک جامن کا پتہ توڑا۔ اس پر ہر جگہ غور سے دیکھا تو یہی لکھا ہوا پایا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 138,137)

اسلام وہ مذہب ہے جس کا مدار ایک زندہ خدا پر ہے

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اسلام وہ مذہب ہے جس کا مدار ایک زندہ خدا پر ہے پس وہ سائنس کی تحقیقات کا محتاج نہیں۔ مثلاً وہی پروفیسر مولر (علمِ حساب کے ایک بہت بڑے ماہر) . . . جب مجھے ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ اور نیویارک کے بعض اَور پروفیسر بھی تحقیقات کے بعد اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اِس ساری یونیورس کا ایک مرکز ہے۔ اِس مرکز کا انہوں نے نام بھی لیا تھا جو مجھے صحیح طور پر یاد نہیں رہا۔ اُنہوں نے بتایا کہ سارے نظامِ عالَم کا فلاں مرکز ہے جس کے گرد یہ سورج اور اُس کے علاوہ اور لاکھوں کروڑوں سورج چکر لگا رہے ہیں اور انہوں نے کہا میری تھیوری یہ ہے کہ یہی مرکز خدا ہے۔

گویا اِس تحقیق کے ذریعہ ہم خدا کے بھی قائل ہیں، یہ نہیں کہ ہم دہریت کی طرف مائل ہو گئے ہوں۔ پہلے سائنس خدا تعالیٰ کے وجود کو ردّ کرتی تھی مگر اَب ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اِس سارے نظام کا ایک مرکز ہے جو حکومت کر رہا ہے اور وہی مرکز خدا ہے۔ مَیں نے کہا نظامِ عالَم کے ایک مرکز کے متعلق آپ کی جو تحقیق ہے مجھے اِس پر اعتراض نہیں قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ دنیا ایک نظام کے ماتحت ہے اور اِس کا ایک مرکز ہے۔ مگر آپ کا یہ کہنا کہ وہی مرکز خدا ہے درست نہیں۔ مَیں نے اُن سے کہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات نازل ہوتے ہیں اور کئی ایسی باتیں ہیں جو اپنے کلام اور الہام کے ذریعہ وہ مجھے قبل از وقت بتا دیتا ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا آپ جس مرکز کو خدا کہتے ہیں وہ بھی کسی پر الہام نازل کر سکتا ہے؟ وہ کہنے لگے الہام تو نازل نہیں کر سکتا۔ مَیں نے کہا تو پھر میں کس طرح تسلیم کر لوں کہ وہی مرکز خدا ہے۔ مجھے تو ذاتی طور پر اِس بات کا علم ہے کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے اور وہ باتیں اپنے وقت پر پوری ہو جاتی ہیں۔ کوئی بات چھ مہینے کے بعد پوری ہو جاتی ہے، کوئی سال کے بعد پوری ہو جاتی ہے، کوئی دو سال کے بعد پوری ہو جاتی ہے اور اِس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ مجھ پر جو الہام نازل ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ پھر میں نے انہیں مثال دی اور کہا آپ مجھے بتائیں کیا آپ کا وہ کرہ جسے آپ خدا قرار دیتے ہیں کسی کو یہ بتا سکتا ہے کہ امریکہ کی طرف سے انگلستان کی مدد کے لئے اٹھائیس سَو ہوائی جہاز بھجوایا جائے گا۔ وہ کہنے لگے اِس کرہ سے تو کوئی ایسی بات کسی کو نہیں بتائی جا سکتی۔ مَیں نے کہا تو پھر ماننا پڑے گا کہ اِس کرے کا اور اِسی طرح اَور کروں کا خدا کوئی اَور ہے، یہ خود اپنی ذات میں خدا نہیں ہیں کیونکہ

آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اِس مرکز کے ذریعہ کسی کو کوئی خبر قبل از وقت نہیں پہنچ سکتی لیکن میں اپنے تجربہ سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام انسان پر نازل ہوتا ہے جو کئی قسم کی غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پس آپ بیشک اِس مرکز کو ہی خدا مان لیں لیکن ہم تو ایک علیم و خبیر ہستی کو خدا کہتے ہیں۔ اُس کے اندر قدرت بھی ہوتی ہے، اُس کے اندر جلال بھی ہوتا ہے، اُس کے اندر حکمت بھی ہوتی ہے، اُس کے اندر بسط کی صفت بھی ہوتی ہے، اُس کے اندر مُحیی ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے، اُس کے اندر ممیت ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے، اُس کے اندر حلیم ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے، اُس کے اندر واسع ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے غرض بیسیوں قسم کی صفات ہیں جو اُس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اِسی طرح اُس کا نور ہونا، اُس کا وہاب ہونا، اُس کا شکور ہونا، اُس کا غفور ہونا، اُس کا رحیم ہونا، اُس کا ودود ہونا، اُس کا کریم ہونا، اُس کا ستار ہونا اور اِسی طرح اور کئی صفات کا اُس کے اندر پایا جانا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کیا یہ صفات اس مرکز میں بھی پائی جاتی ہیں جس کو آپ خدا کہتے ہیں؟ جب ایک طرف اس کے اندر یہ صفات نہیں پائی جاتیں اور دوسری طرف ہم پر ایک ایسی ہستی کی طرف سے الہام نازل ہوتا ہے جس میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو اپنی ان صفات کو اپنے کلام کے ذریعہ دنیا پر ظاہر کرتا ہے اور باوجود اِس کے کہ ساری دنیا مخالفت کرتی ہے پھر بھی اُس کا کلام پورا ہو جاتا ہے اور جو کچھ اُس نے کہا ہوتا ہے وہی کچھ دنیا کو دیکھنا پڑتا ہے تو اِس ذاتی مشاہدہ کے بعد ہم آپ کی تھیوری کو کس طرح مان سکتے ہیں۔ اِس پر وہ کہنے لگا اگر یہ باتیں درست ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ تھیوری باطل ہے۔ اِس کلام کے ہوتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی ایسا خدا نہیں جس کے تابع یہ تمام مرکز ہو تو مذہب کے لحاظ سے ہم ان چیزوں کے محتاج نہیں ہیں۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم سائنس کے علوم کی مدد سے خدا تعالیٰ کو حاصل کریں خدا بغیر سائنس کے بھی انسان کو مل جاتا ہے۔''

(''تعلیم الاسلام کالج کے قیام کے اغراض'' تقریر فرمودہ 4 جون 1944ء حضرت مصلح موعودؓ، انوار العلوم جلد 17 صفحہ 321 تا 323)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''امریکہ سے ایک واقعہ ہے۔ ہمارے مبلغ نے لکھا ہے کہ میکسیکن نژاد (Mexican) پانچ افراد پر مشتمل فیملی نے احمدیت قبول کی۔ اس فیملی میں جو خاتون ہیں ان کا نام Jauredui Marielov ہے۔ ان کو مُری نام سے بلاتے ہیں۔ انہوں نے اپنا خواب اس طرح سنایا کہ اگرچہ ان کا تمام خاندان کیتھولک ہے لیکن اس نے عیسائیت پر کبھی عمل نہیں کیا۔ جب ان کی عمر 27 سال کی ہوئی تو انہیں ایک تکلیف ہوئی اور یہ ہسپتال گئیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے دعائیں مانگنی شروع کیں اور مَیں ہمیشہ ایک خدا سے ہی دعائیں مانگتی تھی۔ ایک دن خواب میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام

کی تصویر ایک شیشے پر دیکھی اور اپنے ہاتھ اس پر لگائے کہ مجھے صحت یابی نصیب ہو تو اس دن سے آج تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحت یاب ہوں۔ وہ تصویر ایک شیشے کی مانند تھی اور مَیں آج تک اسے بھلا نہیں سکی۔ وہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میری ملاقات میکسیکن نژاد احمدی خاتون سے ہوئی۔ انہوں مجھے کتب پڑھنے کے لئے دیں اور احمدیت کا تعارف کرایا۔ ان کتابوں میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر دیکھی اور تصویر دیکھ کر مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ میرے آنسو بہ پڑے اور مَیں تصویر دیکھ کر روتی رہی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق شناخت کرنے کی توفیق دی ہے اور پھر انہوں نے اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ احمدیت قبول کی۔ یہ پڑھی لکھی خاتون ہیں۔"

(از خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مؤرخہ 27 فروری 2009ء خطبات مسرور جلد 7 صفحہ 113,112)

"ایک کرد مسلمان، قاسم دال صاحب جرمنی میں ہیں وہ اپنی جرمن بیوی اور تین بیٹیوں کے ساتھ جماعت کے تبلیغی سٹال پہ تشریف لائے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر سے بات شروع ہوئی اور خوب غصّہ سے بولے کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد کون آسکتا ہے۔ پندرہ منٹ کی بحث کے بعد آخر ہمارے سیکرٹری تبلیغ نے ان کا فون نمبر لے لیا، چلے گئے۔ اگلے دن انہوں نے کھانے پر بلایا۔ تبلیغی نشست ہوئی۔ انہوں نے کتابیں بھی دیں۔ دو دن کے بعد ان کا فون آیا کہ مَیں نے کتابیں نہیں پڑھیں اور مَیں نے وہ کتابیں جلا دی ہیں کیونکہ مجھے مولویوں نے یہی کہا ہے کہ ان کی کسی قسم کی چیز پڑھنی بھی نہیں ہے۔ خیر انہوں نے ان کو کہا کہ ٹھیک ہے، نہ مانیں۔ آپ جمعرات کو دوبارہ تشریف لائیں۔ دوستی تو ختم نہیں ہو سکتی۔ تو خیر اس دن وہ آئے اور اس دن روزہ رکھ کے آئے ہوئے تھے کہ احمدی کے گھر سے کھانا بھی نہیں کھانا۔ خیر باتیں کرتے رہے۔ باتیں لمبی ہوتی چلی گئیں اور روزہ کی افطاری کا وقت ہو گیا اور مجبوراً ان کو وہاں روزہ افطار کرنا پڑا۔ کھانا تو کھانا پڑ گیا۔ ہمارے سیکرٹری تبلیغ نے ان کو کہا کہ آپ مولوی کی باتیں چھوڑیں اور چالیس روز صاف دل ہو کے اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کے بارے میں درد دل سے دعا کریں اور اس عرصہ میں کوئی تعصب نہ ہو۔ تو کہتے ہیں کہ تیسرے دن ان کا ٹیلیفون آیا اور اپنی کام کی جگہ سے آیا کہ تمہارے پاس حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کی فوٹو ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہے تو جواب دیا کہ مَیں ابھی کام چھوڑ کے آرہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھے غائبانہ آواز آئی ہے کہ ثبوت کیا مانگتے ہو ثبوت تو ہم تمہیں دکھا چکے ہیں اور ساتھ ہی ان کو وہ خواب یاد دلائی گئی جس میں انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھا تھا کہ کسی فوج کی کمان کر رہا ہوں اور فرشتے ساتھ ہیں۔ بہر حال اس کے بعد انہوں نے پھر بیعت کر لی۔"

(از خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مؤرخہ 27 فروری 2009ء خطبات مسرور جلد 7 صفحہ 115)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تعارف کتاب:

كِتَابُ الْمُبْتَدَإِ وَالْمَبْعَثِ وَالْمَغَازِي

(کائنات کی) ابتداء (آنحضور ﷺ کی) بعثت اور غزوات کی کتاب

معروف بہ سیرت ابن اسحاق

مصنّفہ محمد بن اسحاق (متوفّٰی 151ھ/769ء)

(ابواشعر)

مصنف کا تعارف:

نام اور ولدیت: محمد بن اسحاق بن یسار مُطَّلِبِی

کنیت: ابو عبد اللہ، ابو بکر، ابو عبید اللہ

پیدائش: مدینہ منورہ میں 85ھ /704ء میں پیدا ہوئے۔ اور اسی شہر مبارک میں پرورش پائی۔

خاندانی پسِ منظر: آپ کے دادا یسار بن خیار عیسائی مذہب کے پیروکار تھے۔ وہ شاہِ ایران کے حکم سے نَقِیْرَہ میں، جو عَیْنُ التَّمْر کے علاقہ میں تھا، ایک قیدی کی زندگی بسر کرتے رہے۔(عَیْنُ التَّمْر ملک شام میں عراق کی طرف ایک گاؤں ہے۔) حضرت خالد بن ولیدؓ 12ھ میں ایران کے اس علاقہ پر قابض ہوئے تو انہیں قید کر کے مدینہ میں

حضرت ابو بکرؓ کے دربار میں لے آئے۔ یسار اشراف قریش میں سے قیس بن مَخۡرَمَہ بن مُطَّلِب کی مِلکیّت میں آگئے۔ یہی وجہ ہے کہ یسار کے بیٹوں کے ناموں کے ساتھ "مُطَّلِبی" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

اس خاندان میں سب سے پہلا شخص جس نے اسلام قبول کیا وہ یسار تھے۔ دامنِ اسلام میں آتے ہی آپ کو آزادی مل گئی۔ یسار کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے عطا کیے۔ جن کے نام اسحاق، موسیٰ اور عبد الرحمٰن تھے۔ یہ تینوں حدیث کے راوی تھے۔

اسحاق کے تین بیٹے ہوئے جن کے نام محمد، ابو بکر اور عمر تھے۔ محمد بن اسحاق کے ساتھ ان کے دونوں بھائی بھی حدیث کے مشہور راوی تھے۔

تحصیلِ علم: محمد بن اسحاق نے اپنا بچپن اور جوانی کا زمانہ مدینہ میں بسر کیا۔ تیس سال کی عمر تک یہیں علم حاصل کرتے رہے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و کوائف جمع کیے۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں مدینہ کے معمر اور بزرگ اہل علم و فضل سے بھرپور استفادہ کیا۔ حضرت انسؓ بن مالک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مشہور تابعین سالم بن عبد اللہؓ بن عمرؓ اور حضرت سعید بن مسیبؒ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔

اساتذہ: حفظ حدیث کے لیے نہایت ذوق وشوق اور بڑی پابندی سے علماء کی مجالس میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کے مشہور اساتذہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ، ابان بن عثمان، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوفؓ، نافع مولی عبد اللہ بن عمرؓ اور محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہیں۔

محمد بن اسحاق نے محض اپنے اساتذہ سے واقعات واحوال سننے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ ہر گوشے سے یہ معلومات جمع کرنے میں کوشاں رہے۔ حتّٰی کہ اس وقت کے مشہور راویان احادیث کی مجالس میں حاضر ہو کر بہت کچھ حاصل کیا۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کی مجالس میں بیٹھے تھے۔ محمد بن اسحاق نے جن راویوں سے روایت کی ہے وہ سیرت ابن ہِشَام کے قول کے مطابق ایک سو سے بھی زیادہ تھے۔ اور محمد بن اسحاق سے روایت کرنے والوں راویوں کی تعداد 131 ہے۔

محمد بن اسحاق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اسلامی فتوحات کے حالات و کوائف جمع کرنے کے ساتھ ان روایات کو بھی جمع کیا جن سے احکام اسلام اور سنن کی ترویج ہوتی ہے۔ آج بھی احادیث کی معتبر اور مستند کتابوں میں محمد بن اسحاق کی روایات ملتی ہیں۔ بخاری میں روایت ہے کہ قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ :أَوَّلُ مَا غَزَا النَّبِيُّ ﷺ الْأَبْوَاءَ ثُمَّ

بُوَاطَ ثُمَّ العُشَيْرَةَ

ترجمہ: محمد ابن اسحٰق نے کہا پہلا غزوہ جو نبی کریم ﷺ نے کیا وہ اَبْوَاء کا تھا۔ پھر بُوَاط پھر عُشَیْرَہ۔

مصر کی طرف سفر: محمد ابن اسحاق مدینہ منورہ سے نکل کر تحصیل علم کے لئے مصر پہنچے۔ یہ غالباً 115ھ کا زمانہ تھا۔ مصر میں یزید بن ابی حبیب (م128ھ) اس وقت کے معروف ترین محدثین میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے حلقہ تدریس میں سینکڑوں شاگرد تھے، آپ نے بھی ان سے روایات سنیں۔ کچھ عرصہ بعد محمد بن اسحاق مدینہ منورہ واپس آ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات اور غزوات پر روایات جمع کرتے رہے۔ پھر وہ سابقہ انبیاء کرام کے واقعات اور قصص کے ساتھ ساتھ قدیم بادشاہوں کے حالات بھی جمع کرتے رہے۔ آپ نے حضورؐ کی زندگی کے وہ واقعات خصوصیت سے جمع کیے، جو عربوں کی اس وقت کی معاشرت کے برعکس تھے۔ ابن اسحاق نے تاریخ عالم کو انبیاء کرام کی زندگیوں کے تناظر میں مرتب کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضور ﷺ تک کے حالات کو جمع کیا اور اپنے معاصرین سے بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

مدینہ سے ہجرت: ایک وقت آیا کہ محمد ابن اسحاق کو مدینہ منورہ میں اپنے معاصرین اہل علم وفضل کی مخالفت اور تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ میں حالات کو ناہموار پا کر 130ھ میں اسلام کے مشرقی ممالک کا رخ کیا۔ [ایک مصنف لکھتا ہے کہ: روایات سے ان کے سفر کی وجوہ محرکات کا علم نہیں ہوتا ہے۔ عام طور سے سوانح نگاروں نے اس باب میں بھی قیاسات سے کام لیا ہے۔ ابن سعد کے ایک بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عباسی دور کے آغاز میں مدینہ سے اپنے سفر پر نکلے تھے۔ غالباً ان کے سفر کا مقصد و محرک اشاعت سیرت نبوی تھی جو انہوں نے اپنی محنت و کاوش سے مرتب کی تھی۔ اس قیاس کی تائید سیرت ابن اسحاق کی ان بکثرت روایات اور سماعات سے ہوتی ہے جو انہوں نے کوفہ، بصرہ، رے اور بغداد میں کی تھی۔ (مصادرِ سیرتِ نبوی حصّہ اوّل صفحہ 77 دارالنوادر 2016ء)] ابن اسحاق کئی سال تک ان مفتوحہ مشرقی ممالک کی سیر و سیاحت میں مصروف رہے۔ وہ جہاں جاتے اہل علم سے آنحضور ﷺ کی زندگی اور غزوات کی تفصیلات کو ان بنیادوں پر قلمبند کرتے جاتے جو مدینہ منورہ میں کھڑی کی تھیں۔ وہ ان علمی محافل میں صرف ان روایات پر اعتماد کرتے جو مدینہ منورہ کے اشراف کی تائید میں ہوتی تھیں۔ بایں ہمہ انہوں نے مشرق میں پھیلی ہوئی عام روایات کو نظر انداز کر دیا۔ سب سے پہلے محمد ابن اسحاق نے اپنے سفر کے دوران جس شہر کو زیادہ عرصہ تک اپنے قیام و اکتساب علم کے لیے منتخب کیا وہ کوفہ تھا۔ آپ 142ھ میں کوفہ کے مضافاتی علاقوں کے ایک حکمران عباس بن محمد (جو خلیفہ منصور کا بھائی

تھا) کے دربار میں رہے۔ وہاں سے ہاشمیہ پہنچے یہ شہر حیرہ اور کوفہ کے درمیان ہے اور آہستہ آہستہ بغداد میں خلیفہ منصور کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ اور احوال رسول اور غزوات رسول پر اپنے شاگردوں سے املا کرا کر ایک نسخہ مرتب کیا اور اسے خلیفہ منصور کے دربار میں پیش کیا۔ ابن اسحاق خلیفہ منصور کے دربار میں زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکے بلکہ وہاں سے چل کر خلیفہ مہدی ولی عہد منصور کا بنایا ہوا نیا شہر "رے" آپ کی قیام گاہ بنا۔ یہاں ایک عرصہ تک مغازی اور سیرت رسولؐ پر روایات کو جمع کرتے رہے۔

وفات: "رے" سے عراق پہنچے اور آخری ایام زندگی تک بغداد میں قیام پذیر رہے۔ اور 65 سال کی عمر میں 150ھ یا 151ھ کو وفات پائی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مزار کے ساتھ قبرستان خیزران میں آسودہ خاک ہوئے۔ یہ قبرستان خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران کی طرف منسوب ہے۔ جو وہاں مدفون تھی۔

(سیرت رسول پاک ﷺ بروایت ابنِ اسحاقؒ مقدمہ صفحہ 18 تا 21 مکتبہ نبویہ لاہور۔ تہذیب الکمال في أسماء الرجال جلد 24 صفحہ 406 مؤسسة الرسالہ 1992ء۔ تاریخ بغداد از خطیب بغدادی جلد اول صفحہ 231 دار الکتب العلمیہ 2004ء۔ الطبقات الکبری جلد 5 صفحہ 450 دار الکتب العلمیہ۔ صحیح بخاری جلد دوم ترجمہ و تشریح محمد داؤد راز صفحہ 225 مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند 2004ء۔ سیرت نگاری آغاز وارتقاء از نگار سجاد ظہیر صفحہ 159، 163 قرطاس 2010۔ صحیح بخاری كِتَابُ الْمَغَازِي بَابُ غَزْوَةِ العُشَيْرَةِ أَوِ الْعُسَيْرَةِ)

امام مالکؒ اور هِشَام بن عروہ کی ابن اسحاق کی مخالفت:

مدینہ میں ابن اسحاق کو دو بزرگوں کی مخالفت برداشت کرنا پڑی۔ ان میں سے ایک امام مالکؒ تھے اور دوسرے هِشَام بن عروہ۔

ابن اسحاقؒ نے ایک موقع پر امام مالکؒ کے نسب سے متعلق ایسی رائے ظاہر کی جو امام مالکؒ کو ناگوار گزری۔ اس کے علاوہ، ابن اسحاق کی کتابوں میں موجود بعض روایات پر امام مالکؒ نے تنقید کی اور انہیں "دجال" جیسے سخت الفاظ سے یاد کیا۔ تاہم، یہ اختلاف صرف علمی حد تک محدود رہا اور جب ابن اسحاقؒ مدینہ چھوڑ کر عراق گئے تو امام مالکؒ نے نہ صرف صلح کر لی بلکہ انہیں تحائف بھی دیے، جو ان کے ظرف اور علمی احترام کا ثبوت ہے۔ یہ واقعہ اس بات کی مثال ہے کہ اختلافات ہوا کرتے تھے، مگر ان میں ذاتی دشمنی کے بجائے علمی وقار اور سچائی کی جستجو نمایاں ہوتی تھی۔

دوسری طرف، هِشَام بن عروہ نے ابن اسحاقؒ سے اس وقت ناراضگی ظاہر کی جب انہوں نے هِشَام کی اہلیہ

فاطمہ بنت منذر سے حدیث روایت کی۔ یہ اعتراض زیادہ تر غیرت کی بنیاد پر تھا، نہ کہ علمی۔ عہدِ صحابہ و تابعین میں خواتین سے پردہ کے پیچھے سے حدیث روایت کرنا عام اور شرعی طور پر جائز تھا۔

ان اختلافات کے باوجود، ابن اسحاقؒ کو محدثین کے ایک بڑے طبقے نے ثقہ اور معتبر مانا ہے۔

(سیرت نگاری آغاز وارتقاء از نگار سجاد ظہیر صفحہ 160 تا 161، قرطاس 2010ء، مصادرِ سیرتِ نبوی حصہ اوّل صفحہ 75 دارالنوادر 2016ء)

شیعی اور قدری عقائد کا الزام:

ابن اسحاق پر بعض روایات کے مطابق یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ قدری اور شیعی عقائد رکھتے تھے۔

عقیدہ انکار تقدیر: اس کا حامل فرقہ قدریہ کے نام سے معروف ہے جو کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اُس کی تقدیر کے بغیر اچھے بُرے کام کرتا ہے۔ خدا کچھ بھی نہیں کرتا اور اس کا انسانی اعمال میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اِبْنُ سَيِّدِ النَّاس (ابو الفتح فتح الدین محمد بن محمد۔ 671ھ۔ 734ھ / 1272ء۔ 1334ء) نے ان کے دفاع میں کہا ہے کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں ان الزامات کی تصدیق نہیں کی جاسکتی بلکہ متعدد روایات ایسی پیش کی جاسکتی ہیں جو ان کے قدری یا شیعی ہونے کی تردید کرتی ہیں۔

محمد بن عبد اللہ بن نمیر بیان کرتا ہے:

كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ يُرْمَى بِالْقَدَرِ، وَكَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ۔

ترجمہ: محمد بن اسحاق پر قدری (یعنی تقدیر کا انکار کرنے) کا الزام لگایا جاتا تھا، حالانکہ وہ اس (عقیدہ) سے سب لوگوں سے زیادہ دُور تھا۔

عام مؤرخین کو ابن اسحاق کے شیعہ ہونے کی غلط فہمی اس وجہ سے بھی ہوئی کہ وہ حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ (متوفّٰی 93ھ) کی روایات اپنی سیرت میں ابن شہاب زہری کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں اور حضرت امام باقرؒ اور امام صادقؒ کی مجالس میں شریک رہے اور ان سے روایات حَدَّثَنِي (اس نے مجھ سے بیان کیا) کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن اسحٰق حضرت علیؓ کی بہادری اور شجاعت کے قصے اور ان کی بعض کرامات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

ان واقعات کی بنا پر ایک مؤرخ کو شیعہ کہنا جانبداری کے سوا کچھ نہیں۔ مؤرخ کو ہر قسم کے واقعات کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ ابن اسحٰق نے شَيْخَيْن اور دوسرے صحابہؓ کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ غزوہ خیبر

میں جس فتح کا سہرا حضرت علیؓ کو دیا جاتا ہے، ابن اسحٰق نے اس کا شرف حضرت محمد بن مَسْلَمَہ انصاریؓ کو دیا ہے۔

(مصادرِ سیرتِ نبوی حصّہ اوّل صفحہ 81، 76 دارالنوادر 2016ء۔ سیرت نبویؐ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ جلد اوّل صفحہ 45 دارالعلم ممبئ۔ سیرت رسول پاک ﷺ بروایت ابنِ اسحاقؒ مقدمہ صفحہ 46، 49 مکتبہ نبویہ لاہور۔ تاریخ بغداد از خطیب بغدادی جلد اوّل صفحہ 241 دارالکتب العلمیہ 2004ء)

سیرت میں ابن اسحاق کا اسلوب:

ابن اسحاق کا انداز مؤرخانہ تھا یعنی وہ حدیث کو مربوط تاریخی بیانیے کی شکل میں پیش کرتے تھے نہ کہ اسناد کی مکمل تفصیل کے ساتھ۔ ان کے اس طریق کار پر انہیں کافی مطعون کیا گیا۔ محدثین نے ابن اسحاقؒ پر سب سے بڑا الزام تدلیس کا لگایا ہے یعنی حدیث روایت کرتے وقت اسناد میں اپنے اصلی شیخ کو بیان نہیں کرتے۔ یا کبھی مکمل اسناد بیان کرتے اور کبھی متوسط راویوں کو حذف کر کے اوپر والے راوی کا ذکر کر دیتے ہیں۔

اصل میں اسلوب کا یہ فرق حدیث اور سیرت کے درمیان موجود ہے۔ حدیث میں مربوط قصہ مطلوب نہیں ہوتا بلکہ بیان کردہ واقعہ کی معرفت کے بارے میں گواہی مطلوب ہوتی ہے۔ جہاں تک سیرت کا تعلق ہے اس کا انحصار تو حدیث پر ہے لیکن اس کی غرض یہ ہے کہ تاریخی واقعہ سے متعلق ایک مکمل اور مربوط بیانیہ مرتب کیا جائے جسے اسانید اور روایات کی تکرار سے بوجھل نہ کیا جائے۔ یہ اسلوب جس کی وجہ سے ابن اسحاقؒ پر اعتراض کیا گیا، ان کے استاد ابن شہاب زہری کی طرف اور اوّلین سیرت نگار عُرْوَہ بن زبیر کی طرف بھی منسوب ہے۔

(سیرت نگاری آغاز وارتقاء از نگار سجاد ظہیر صفحہ 171 تا 172، قرطاس 2010ء)

تصنیفات:

ابن اسحاق کی سیرت کی کتاب المبتداء والمبعث والمغازی کے علاوہ درج ذیل کتب کا مختلف ذرائع سے پتہ چلتا ہے۔

1۔ تاریخ الخلفاء 2۔ کتاب الفتوح 3۔ اخبار کلیب وجساس

4۔ کتاب حَرْبُ البَسُوسِ بَیْنَ بَکْرٍ وَتَغَلُّبٍ 5۔ کتاب سیر العرب الاربع

6۔ حدیث اسراء والمعراج 7۔ اخبار صفین

8۔ کتاب المَبْدَا

(سیرت نگاری آغاز وارتقاء، نگار سجاد ظہیر صفحہ 176 تا 177 قرطاس 2010ء الاعلام۔ خیر الدین زرکلی، جزء 6 صفحہ 28 دارالعلم للملایین 2002ء)

ابن اسحاق کی سیرت نگاری:

جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر ابنِ اسحاق کی کتاب کا نام کتاب المبتداء والمبعث والمغازی ہے۔ عرب مصنفین کے یہاں اس کتاب کے نام السیرۃ النبویہ، کتاب المغازي، کتاب المغازي والسِّیَر، کتاب السیرۃ والابتداء والمغازی اور کتاب السِّیَر والمغازی بھی ملتے ہیں۔

فنی اعتبار سے یہ سیرت پر بنیادی اور رجحان ساز کتاب ہے۔ اس کے تین اجزاء ہیں۔

1۔ مبتداء 2۔ مَبْعَث 3۔ مغازی

سیرت نگاری میں اس قسم کی تقسیم کی مثال محمد بن اسحاق سے قبل عروہ بن زبیر، وہب بن مُنَبّہ، ابن شہاب زہری اور موسیٰ بن عُقْبَہ کے کام میں نہیں ملتی، البتہ ان کے شاگردوں اور بعد میں آنے والے سیرت نگاروں نے ضرور اس کی تقلید کی، اور سیرت نگاری برسہا برس تک اسی نہج پر ہوتی رہی۔ طَبَرِی نے بھی اپنی تاریخ کائنات کی ابتداء سے شروع کی ہے۔

سہیل زکار (1936ء- 2020ء) سیرۃ ابن اسحاق کے مقدمہ میں ابن اسحاق کے متعلق لکھتے ہیں:

مَهْمَا تَكُنْ أَهَمِّيَّةُ أَعْمَالِ أَمْثَالِ الزُّهْرِيِّ وَمُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، فَإِنَّ عَمَلَ ابْنِ إِسْحَاقَ يَبْقَى الْأَسَاسِيَّ فِيمَا يَتَّصِلُ بِالسِّيرَةِ وَإِلَى حَدٍّ مَا بِالتَّارِيخِ. وَتَكْمُنُ أَهَمِّيَّتُهُ كَمُؤَرِّخٍ فِي اسْتِيعَابِهِ لِتَجَارِبِ شُيُوخِهِ، وَفِي تَطْوِيرِهَا وَإِعَادَةِ تَنْظِيمِهَا مِنْ خِلَالِ فَهْمِهِ الْجَدِيدِ لِلتَّارِيخِ، وَمِنْ خِلَالِ نَظْرَتِهِ الشَّامِلَةِ النَّابِعَةِ مِنْ ثَقَافَتِهِ الْوَاسِعَةِ وَإِدْرَاكِهِ لِلْمَغْزَى السِّيَاسِيِّ لِلصُّورَةِ التَّارِيخِيَّةِ. مِنْ هُنَا صَارَ ابْنُ إِسْحَاقَ شَيْخَ كُتَّابِ السِّيرَةِ، وَصَارَ مَنْ كَتَبُوا بَعْدَهُ عِيَالًا عَلَيْهِ۔

(سیرۃ ابن اسحاق تحقیق سہیل زکار صفحہ 9 دار الفکر بیروت 1978ء)

ترجمہ: چاہے زہری اور موسیٰ بن عقبہ جیسے افراد کے کام کتنی ہی اہمیت رکھتے ہوں، ابنِ اسحاق کا کام سیرت اور کسی حد تک تاریخ کے تعلق سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مؤرخ کے طور پر ان کی اہمیت اس میں ہے کہ انہوں نے اپنے شیوخ کے تجربات کو جذب کیا، انہیں ترقی دی، اور ایک نئے تاریخی فہم کی روشنی میں انہیں دوبارہ منظم کیا، نیز ان کی جامع نظر جو ان کی وسیع ثقافت اور "تاریخی تصویر" کے سیاسی مفہوم کے ادراک سے پیدا ہوئی۔ اسی وجہ سے ابن اسحاق سیرت نگاروں کے شیخ بن گئے، اور جو ان کے بعد آئے وہ ان کے محتاج بنے۔

مبتداء: یہ دراصل ماقبل اسلام کی تاریخ ہے، جو مزید چار حصوں میں تقسیم ہے۔ اس میں پہلا حصہ ابتدائے آفرینش سے حضرت موسیٰؑ تک وحی و رسالت کی تاریخ ہے۔ اس حصہ کو مرتب کرتے ہوئے ابن اسحاق نے وہب بن مُنَبِّہ اور ابن عباسؓ کی روایات پر اعتماد کیا ہے، اسرائیلیات، توراۃ کے اقتباسات اور قرانی آیات کو بھی بطور ماخذ استعمال کیا ہے۔ المبتداء کی دوسری فصل عہد جاہلیت میں یمن کی تاریخ ہے۔ تیسرا جزو عرب قبائل اور ان کی اصنام پرستی سے بحث کرتا ہے اور چوتھے جزو میں رسول اللہ ﷺ کے قریبی اجداد، اور اہل مکہ کے رسوم و عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی المبتداء کے حصے میں اسناد نہیں ہیں البتہ اس کی پہلی فصل میں کہیں کہیں اسناد موجود ہیں۔

جہاں تک مبتداء والے حصہ کا تعلق ہے تو موجودہ سیرت ابن اسحاق میں اس کا بیان نہیں ہے اور ابن ھِشَام نے بھی اپنی سیرت میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے بعض حصے طَبَری کی تاریخ میں مل جاتے ہیں مثلاً:

حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: كَانَ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ النُّورُ وَالظُّلْمَةُ، ثُمَّ مَيَّزَ بَيْنَهُمَا، فَجَعَلَ الظُّلْمَةَ لَيْلًا أَسْوَدَ مُظْلِمًا، وَجَعَلَ النُّورَ نَهَارًا مُضِيئًا مُبْصِرًا۔ ترجمہ: ابن حمید نے کہا کہ سَلَّامَہ بن فضل نے ہمیں بتایا کہ ابن اسحق نے یوں کہا کہ اللہ عزّوجل نے سب سے پہلے نور اور ظلمت کو پیدا فرمایا، پھر ان دونوں کے درمیان فرق کیا: پس اللہ نے تاریکی کو سیاہ، اندھیری رات بنایا، اور روشنی کو چمکدار اور دکھائی دینے والا دن بنایا۔

مَبْعَث: اس حصہ میں رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی، بعثت، ہجرت اور مدنی زندگی کے پہلے سال کی مہمات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس حصے میں اسانید کا اہتمام نظر آتا ہے۔ ابن اسحاق اپنے زیادہ تر مدنی اساتذہ کی روایات کے حوالے سے یہ حصہ مرتب کرتے ہیں۔ اس حصہ میں وہ دستاویز بھی ملتی ہے جسے صرف ابن اسحاق نے اپنی کتاب المغازی میں شامل کیا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا وہ معاہدہ ہے جو آپ ﷺ نے مدنی قبائل سے کیا تھا اور جسے مدینہ کا سماجی ضابطہ کہا گیا ہے۔

اس حصے میں کئی مواقع کی فہرستیں بھی مرتب کی گئی ہیں مثلاً سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کی فہرست، مہاجرین حبشہ کی فہرست، انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والوں کے نام، شرکائے بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کی فہرست، ان انصار ومہاجرین کی فہرست جنہوں نے مہاجرین کا مدینہ میں استقبال کیا۔ اور ان لوگوں کی فہرست جن کا رسول اللہ ﷺ نے آپس میں مؤاخات کا رشتہ قائم کیا۔

فہرست سازی میں ابن اسحاق کو اولیت حاصل نہیں ہے۔ سیرت نگاری میں فہرست سازی کا سب سے پہلا کام ابن

شہاب زہری کے شاگرد اور ابن اسحاق کے ہمعصر موسیٰ بن عُقْبَہ (م 141ھ) نے کیا تھا۔ انہوں نے اصحاب بدر کی مکمل فہرست بنائی تھی جس کی امام مالکؒ نے بھی تصدیق کی اور اس کو مستند قرار دیا۔ موسیٰ بن عُقْبَہ نے اصحاب بدر کی تعداد 316 بیان کی ہے۔

مَبْعَث کے اکثر حصے موجودہ دور میں سیرت ابن اسحاق میں مل جاتے ہیں اور بعض حصے گم ہو گئے ہیں۔

مغازی: یہ رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کی تاریخ ہے، جس میں مشرکین عرب سے پہلی جنگ سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک کے حالات آجاتے ہیں، اس جزء کا غالب حصہ غزوات کے بیان پر ہے۔ اس حصے میں اسناد کی باضابطہ پابندی کی گئی ہے۔ غزوات کا حال لکھنے میں ابن اسحاق ایک مقررہ ضابطے کی پابندی کرتے ہیں، پہلے وہ اپنے ثقہ استادوں کے بیانات سے مرتب کی ہوئی ایک مجموعی رپورٹ درج کرتے ہیں پھر اس بنیادی واقعہ سے متعلق وہ انفرادی روایات بیان کر کے اس خبر کی تکمیل کر دیتے ہیں جو انہوں نے دوسرے ذرائع سے فراہم کی ہوتی ہیں۔

مغازی کے حصہ میں بھی کئی فہرستیں شامل ہیں۔ بدر میں لڑنے والوں، زخمی ہونے والوں، گرفتار ہونے والوں، غزوہ احد میں شہید ہونے والوں، اور غزوہ خندق، خیبر، مؤتہ اور طائف میں شہادت پانے والوں اور حبشہ سے واپس آنے والے مہاجرین کی فہرستیں دی ہیں۔

مغازی کے اکثر حصے موجودہ دور میں سیرت ابن اسحاق میں مل جاتے ہیں اور بعض حصے گم ہو گئے ہیں۔

(سیرت نگاری آغاز وارتقاء، نگار سجاد ظہیر صفحہ 166 تا 169 قرطاس 2010ء، نقوش رسولؐ نمبر جلد 1 شمارہ نمبر 130 دسمبر 1982ء صفحہ 415۔ مغازی سیدنا محمد ﷺ از موسی بن عقبہ جلد 2 صفحہ 65 تا 151 منشورات البشیر بنعطیۃ 2023ء۔ تاریخ الطبری جلد 1 صفحہ 29 دار الکتب العلمیہ 1987ء)

تدوین سیرت کا زمانہ:

بعض روایات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ابن اسحاق نے کتابِ سیرت خلیفہ ابو جعفر منصور کے حکم سے ان کے فرزند مہدی کے لئے تیار کی تھی حالانکہ ان روایات کا اصل مقصود یہ ہے کہ سیرت کا ایک نسخہ ابن اسحاق نے خلیفہ کے حکم سے دربار میں پیش کیا تھا اور جب اس کتاب کی ضخامت نامناسب اور ناقابل مطالعہ معلوم ہوئی تو مؤلف نے ایک مختصر نسخہ تیار کیا جو ولی عہد مہدی کے مطالعہ میں آیا۔ ابن اسحاق نے مدینہ منورہ سے ہجرت سے قبل اپنی کتاب نہ صرف مکمل کر لی تھی بلکہ اس کی مسلسل روایت کرتے رہے تھے چنانچہ ان کے مدنی شاگرد ابراہیم بن سعد نے اس کی سماعت و روایت مدینہ ہی میں کی تھی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق پوری کی پوری مدنی راویوں کی روایات پر مبنی ہے اور اس میں کہیں

بھی کسی عراقی راوی کا نام نہیں آیا ہے۔ مزید براں ابن اسحاق نے عباسیوں کے جد امجد حضرت عباسؓ بن عبد الْمُطَّلِب کے غزوہ بدر میں گرفتار ہونے اور زرِ فدیہ ادا کر کے رہا ہونے کا واقعہ بھی لکھا ہے جس کو ابن هِشَام اور واقدی وغیرہ دوسرے مؤرخین اور سیرت نگاروں نے از روئے احتیاط خارج کیا تھا۔ اس کی تائید مزید دو دلیلوں سے ہوتی ہے: اوّل یہ کہ امام زہری (م124ھ/742ء) نے اپنے شاگرد کی مغازی کی مہارت کا نہ صرف اعتراف کیا تھا بلکہ وہ بسا اوقات استفادہ بھی کیا کرتے تھے اور لوگوں کو ان سے علم مغازی حاصل کرنے کا مشورہ بھی دیا کرتے تھے۔ یہ اسوقت تک ممکن نہیں جب تک ان کی سیرت مکمل نہ ہو چکی ہو۔ اس کے علاوہ امام مالک وغیرہ نے ان کے طریقہ روایات پر نکتہ چینی بھی اس لئے کی تھی کہ وہ مغازی میں شہرت پا چکے تھے، جب ابن اسحاق کوفہ وغیرہ کے سفر پر گئے تو ان کی شہرت ان سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی اور انہوں نے کوفہ، بصرہ، رے اور بغداد میں اپنی کتاب کی روایت کی تھی۔ بہر حال داخلی اور خارجی شہادتیں حتمی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ سیرت ابن اسحاق مدینہ میں مکمل ہو چکی تھی۔

(مصادرِ سیرتِ نبوی حصّہ اوّل صفحہ 78 دارالنوادر 2016ء)

سیرت ابن اسحاق کی کتاب کی عوام وخواص میں شہرت کی چند وجوہ:

1۔ علامہ ابن اسحاق نے واقعات کے تذکرے میں زمانی ترتیب کا لحاظ رکھا ہے اور یہ بات انھوں نے اپنے استاد امام زہری سے سیکھی، انھوں نے بھی اپنی سیرت زمانی تسلسل کی مناسبت سے ترتیب دی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے دور میں یہ ایک نادر اور انوکھا کام تھا۔

2۔ تمام روایات ایک تسلسل کے ساتھ بیان کی ہیں اور ہر راوی کی روایت کو علیحدہ طور پر ذکر نہیں کیا۔ اس سے واقعے کی مکمل تفصیل سامنے آ جاتی ہے۔ یہ چیز عام قارئین کے لیے بہت مفید ہے کیونکہ اس طرح کسی واقعے کو سمجھنا، سمجھانا اور یاد رکھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ محدثین نے ان کے اس انداز پر تنقید کی ہے کیونکہ اس طرح یہ پتہ نہیں چلتا کہ کسی راوی نے کوئی واقعہ کس حد تک بیان کیا ہے۔

3۔ ابن اسحاق اپنے عہد کے ایک جید عالم تھے اور وہ اپنی علمی وسعتوں کی بدولت بلند مرتبے پر فائز ہوئے، مزید بر آں ان کا انداز بیان بڑا دل آویز ہے اور وہ فصاحت وبلاغت کی خوبیوں سے بھی مالا مال تھے۔

4۔ ابن هِشَام کی تہذیب وترتیب نے ابن اسحاق کی سیرت کو چار چاند لگا دیے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے اسے شامل درس وتدریس کر لیا۔ اور اس پر علمائے کبار نے تشریحات اور حاشیے لکھے اور اس کی منقطع روایات کو موصولاً بیان کیا

یعنی ایسی روایات جن کی سند سے ایک یا دو راوی حذف ہو گئے تھے، انہیں مکمل سند کے ساتھ بیان کیا۔ یوں اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہوا۔

واقدی اور ان کے شاگرد ابن سعد پہلے تین اسباب میں تو امام ابن اسحاق کے شریک ہیں اور مؤرخین کے نزدیک نہایت معروف اور مسلم ہیں، البتہ فصاحت و بلاغت میں ابن اسحاق کا کوئی ہمسر نہیں اور محدثین کرام کے نزدیک بھی وہ مقبول و معتبر ہیں۔

(سیرت نبویؐ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ جلد اوّل صفحہ 43۔44 دار العلم ممبئی)

راویان سیرۃ ابن اسحاق :

محمد بن اسحاقؒ کا معمول تھا کہ آپ صحابہؓ اور تابعین کی زبانی یا دیگر ذرائع سے جو واقعات اور روایات سنتے انہیں قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ آپ کی یہ تحریریں آپ کے شاگردوں اور اسلامی مؤرخین کے راویوں کی راہنما بنیں۔ آپ کے شاگردوں میں سے زِیَادبِنِ عَبْدُاللہ بَکَّائِی ہیں جنہیں محمد بن اسحاق نے بذات خود اپنی کتاب دو بار املا (Dictate) کروائی تھی۔ زِیَادبِنِ عَبْدُاللہ نے بڑی احتیاط سے ان تحریروں کو جمع کیا، ترتیب دیا اور اسے کتابی شکل میں مربوط کیا۔ بَکَّائِی کے شاگرد خاص ابو محمد عبد المالک بن ہِشَام (متوفّٰی 213 یا 218 ھ) نے اپنے استاد سے اس کتاب کو صفحہ بہ صفحہ سنا۔ بعد میں بعض روایات کا اضافہ کیا۔ بعض کو غیر معتبر یا غیر مستند خیال کرتے ہوئے نظر انداز کیا۔ اور اس طرح ایک کتاب مرتب کی جو دنیائے تاریخ میں ''السیرۃ النبویہ لابن ہِشَام'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ کتاب یورپ کے مختلف ممالک، مصر، بیروت اور برصغیر پاک و ہند میں عربی انگریزی اور دیگر زبانوں میں کئی بار چھپی۔

(سیرت رسول پاک ﷺ بروایت ابنِ اسحاقؒ مقدمہ صفحہ 17 مکتبہ نبویہ لاہور۔ السیرۃ النبویہ لابن ہِشَام صفحہ 8 دار الکتب العلمیہ 2001ء)

سیرت ابن ہِشَام نے سیرت ابن اسحاق پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ حتّٰی کہ لوگ سیرت ابن اسحاق کو بھول ہی گئے اور اس کا اکثر حصہ سیرت ابن ہِشَام میں آجانے کی وجہ سے اصل کتاب کی چنداں ضرورت نہ رہی۔

ابن ہِشَام لکھتے ہیں: ''میں ان شاء اللہ اس کتاب کو حضرت اسماعیل بن ابراہیم سے شروع کروں گا اور ہر اس شخصیت کا ذکر کروں گا جسے رسول اللہ ﷺ کے آباء و اجداد میں شمار کیا جاتا ہے، البتہ بطور اختصار ان شخصیات کا ذکر نہیں کروں گا جو آپؐ کے آباء و اجداد میں نہیں آتے، چاہے ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ کیا ہو۔ اسی طرح میں رسول اللہ ﷺ کے مکمل حالات بیان کروں گا، البتہ ابن اسحاق کے بیان کردہ ان واقعات کا ذکر نہیں کروں گا جن کا رسول اللہ ﷺ سے

کوئی تعلق نہیں اور قرآن مجید نے بھی اُن کا تذکرہ نہیں کیا۔ مزید برآں ان کا تفسیر سے بھی کوئی تعلق نہ ہو۔ میں وہ اشعار بھی حذف کر دوں گا جو اہل علم کے ہاں معروف نہیں۔ وہ واقعات بھی قلم بند نہیں کروں گا جن کا تذکرہ شایان شائستگی نہ ہو اور جن سے کچھ لوگوں کو اذیت پہنچنے کا خدشہ ہو۔ میں ایسی روایات بھی بیان نہیں کروں گا جن کی شیخ بَکَّائِی نے تائید نہیں کی۔ ان کے علاوہ ان شاء اللہ میں اپنی معلومات کی آخری رسائی تک ہر امر پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کروں گا جو مروی ہے یا جس کا تعلق میری معلومات سے ہے۔" اب اگر لوگ سیرت ابن اسحاق کو سیرت ابن ہِشَام کہنے لگے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام صفحہ 9 تا 10 دار الکتب العلمیہ 2001ء۔ سیرت نبوی ڈاکٹر مہدی رزق اللہ جلد اول صفحہ 48۔49 دار العلم ممبئی)

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی (1944ء- 2020ء) نے لکھا ہے:

"یہ حقیقت واضح ہے کہ ابن اسحاق اولین سیرت نگار رسول نہیں تھے۔ تاہم یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ابن اسحاق کی سیرت نبوی ابن ہِشَام کی تہذیب کی شکل میں ہم تک پہنچنے والی سب سے پہلی مکمل سیرت کی کتاب ہے۔ اور یہی اس کی فضیلت ہے۔" (مصادرِ سیرتِ نبوی حصّہ اوّل صفحہ 72 دار النوادر 2016ء)

محمد بن اسحاق کے شاگردوں میں سے پندرہ نے ان سے کتاب المبتداء والمبعث والمغازی روایت کی ہے۔ ایک وقت تھا جب سیرت ابن اسحٰق کے اصل نسخے کا متن 15 روایتوں میں موجود تھا۔ جن کے اسماء درج ذیل ہیں۔

1۔ ابراہیم بن سعد (م184ھ)	2۔ زِيَادبِنِ عَبْدُاللهِ بَكَّائِي (م183ھ)	3۔ عبداللہ بن ادریس (م192ھ)
4۔ یونس بن بکیر (م199ھ)	5۔ عبدہ بن سلیمان (م187ھ)	6۔ عبداللہ بن نمیر (م199ھ)
7۔ یحییٰ بن سعید اموی (م194ھ)	8۔ جریر بن حازم (م170ھ)	9۔ کریم بن ابی عیسیٰ
10۔ سلمہ بن فضل ابرش (م191ھ)	11۔ علی بن مجاہد (م189ھ)	12۔ ابراہیم بن مختار (م180 ھ)
13۔ سعید بن بزیع	14۔ عثمان بن ساج (م191ھ)	15۔ محمد بن سلمہ حرانی (م191ھ)

(سیرت نگاری آغاز وارتقاء۔ نگار سجاد ظہیر صفحہ 175 تا 176۔ قرطاس 2010ء)

یہ کتاب ایک طویل عرصہ تک مشہور ومقبول رہی اس کے نسخے ساتویں آٹھویں صدی ہجری تک عام تھے۔

غالباً سقوط بغداد (656 ھ / 1258ء) کے موقع پر جب بہت سے کتب خانوں کو ضائع کر کے دریابرد کر دیا گیا اور اس میں لاکھوں کتابیں ضائع ہو گئیں۔ ابن اسحاق کی کتاب بھی شاید اس افراتفری میں ضائع ہو گئی ہو۔

(سیرت نگاری آغاز وارتقاء۔ نگار سجاد ظہیر صفحہ 173۔ قرطاس 2010ء)

گم شدہ اصل نسخے کی جزوی دریافت:

ڈاکٹر اصغر مہدوی لکھتے ہیں: محمد بن اسحاق کے مشہور راویوں کے تذکرہ سے مقصد یہ تھا کہ ان آثار اور ماخذ کی نشاندہی کی جاسکے، جو دوسری صدی ہجری کے آغاز میں ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کی سیرت کی بنیاد بنے۔ محمد بن اسحاق کی سیرت کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ آپ کی روایات ان اطلاعات اور اخبار پر مبنی تھیں جو مدینہ کے علماء اور محدثین بیان کرتے تھے۔

ان کوششوں سے یہ فائدہ ہوا کہ کم از کم آٹھ مجموعے ترتیب دیئے گئے۔ یہ مجموعے ان روایات پر مشتمل تھے، جو ان کے مشہور شاگردوں اور بلا فصل راویوں نے بیان کیے تھے۔ روایات کے یہ مجموعے وقت کے ساتھ ساتھ ناپید ہوتے گئے اور چند قطعات یا اس کے حصے کہیں کہیں باقی رہ گئے۔ اس صورت حال کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ابن هِشَام یا طَبَرِی کی روایات کو بے بنیاد قرار دے دیں یا انکا کوئی ماخذ ہی نہ بتائیں۔ حقیقت یہ ہے ابن هِشَام یا سیرت کی دوسری کتابوں کی اصل بنیاد تو ابن اسحاق رحمہ اللہ علیہ کے مرتب کردہ مجموعے ہیں یا ابن اسحاق کے شاگردوں کی بیان کردہ وہ روایات ہیں جو ابن اسحاق کی وساطت سے انہیں پہنچی تھیں۔

(سیرت رسول پاک ﷺ بروایت ابنِ اسحاقؒ مقدمہ صفحہ 49 مکتبہ نبویہ لاہور)

الفریڈ گیلوم (Alfred Guillaume) (1888ء-1965ء) سیرت ابن اسحٰق کے انگریزی ترجمہ کی ابتداء میں دیباچہ میں لکھتا ہے:

میرا مقصد یہ رہا ہے کہ جس حد تک بھی ممکن ہو ابن اسحٰق کے اصل متن کو خواہ اس صورت میں جس صورت میں یہ ابن اسحٰق کے قلم سے نکلا، خواہ جس انداز میں اُنھوں نے اپنے سامعین کو لکھوایا، بعد کی آنے والی کتب میں شامل اقتباسات کی مدد سے، مَبْدَأ والے حصے کو نظر انداز کرتے ہوئے جیسا کہ ابن هِشَام نے کیا، بحال کیا جائے۔ وہ مصنفین جن کے یہاں (سیرت ابن اسحٰق کے) اصل متن کے کچھ حصے کی بازیافت ممکن ہے، یہ ہیں:

محمد بن عُمَر واقدی (م 207ھ)، ابو الولید محمد بن عبد اللہ اَزْرَقِی (م 250ھ)، محمد بن سعد (م 230ھ)، ابو عبد اللہ محمد بن مسلم بن قُتَيْبَہ (م 276ھ)، احمد بن یحییٰ بَلَاذُرِی (م 279ھ)، ابو جعفر محمد بن جریر طَبَرِی (م 310ھ)، ابو سعید حسن بن عبد اللہ سِيْرَافِی (م 368ھ)، ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب مَاوَرْدِی (م 450ھ)، ابو الحسن علی بن اثیر (م 630ھ)، یوسف بن یحییٰ تَادَلِی (م 627ھ)، اسماعیل بن عمر بن کثیر (م 774ھ)، ابو الفضل احمد

بن علی بن حَجَر عسقلانی(م852ھ)

مندرجہ بالا کتب میں طَبَرِی کی اہمیت سب سے زیادہ ہے جس کے متن کی بنیاد سَلَمَہ بن فضل(م191ھ) اور یونس بن بُکَیْر کی روایت پر ہے۔

(نقوش رسولؐ نمبر جلد1 شمارہ نمبر130 دسمبر1982ء صفحہ 426۔427)

مخطوطہ جات:

مخطوطہ کو انگریزی میں(Manuscript) کہتے ہیں۔ مخطوطہ کے معنی ہیں قلمی نسخہ، دستاویز یا غیر مطبوعہ قلمی کتاب۔(اصنافِ نظم ونثر از ڈاکٹر محمد خاں وڈاکٹر اشفاق احمد ورک۔ صفحہ 189 الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب)

1۔نسخۂ کَرَبَسِك (Karabacek) ترکی کی کُوپرِلِي (Koprulu) لائبریری استنبول میں 1140 نمبر کے تحت محفوظ ہے۔

2۔دار الکتب المصریہ (قاہرہ) میں احمد تیمور پاشا کے ذخیرے میں موجود ہے۔

(اَلسِّيْرَةُالنَّبَوِيَّةُلِابْنِ اِسْحَاقْ تحقیق احمد فریدی دار الکتب العلمیہ 2004ء)

بَكَّائِي نے جو ابن اسحٰق کا ایک شاگرد تھا، کتاب سیرت کی دو نقول تیار کیں جس میں سے ایک ابن هِشَام (م210ھ) تک پہنچی، جس کا اختصار کردہ متن اور کہیں کہیں تبدیلی ابن اسحٰق کے اصل کارنامے کو جاننے کے لئے ہمارا بڑا منبع ہے۔ اور دوسری نقل کو طبری استعمال میں لائے۔ یہ اس وقت تیار کی گئی تھی جب ابن اسحٰق رے شہر میں تھے۔ اسے سَلَمَہ بن فضل ابرش (م191ھ) نے تیار کیا تھا، کیونکہ طبری ابن اسحٰق کا حوالہ سَلَمَہ بن فضل کی روایت کے مطابق دیتے ہیں۔

تیسری نقل یونس بن بکیر نے رے شہر میں تیار کی۔ یہ نقل ابن اثیر نے اپنی کتاب اُسُد الغابہ میں استعمال کی۔ اس نظر ثانی شدہ نسخے کے ایک حصے کی نقل قَرَوِیّین کی مسجد میں بمقام فاس(FEZ) موجود ہے۔ چوتھی نقل شام کے ہارون بن ابو عیسی کی تیار کردہ تھی۔ ان آخری دو نقول سے ابن سعد نے استفادہ کیا۔ ان سب کے علاوہ فہرست میں النُّفَیْلِی (م234ھ) کے ایڈیشن کا ذکر بھی ملتا۔

یہ کتاب ایک طویل عرصہ تک مشہور و مقبول رہی اس کے نسخے ساتویں آٹھویں صدی ہجری تک عام تھے۔ ساتویں صدی ہجری میں فارس کے حکمران ابو بکر سعد زنگی کی فرمائش پر سیرت ابن اسحاق کا فارسی ترجمہ تیار ہوا۔ جس کے

قلمی نسخے بھی مل جاتے ہیں۔

ابن اسحاق کے بعد آنے والے تقریباً تمام سیرت نگاروں نے ان کی کتاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس کے مضامین کو اپنی کتابوں میں شامل کیا۔ متعدد سیرت نگاروں نے اس پر کام کیا، اس کے بعد یہ کتاب منظر سے غائب ہو گئی۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہو سکتا ہے کہ عبدالملک بن ہِشَام نے جب سیرت ابن ہشام لکھی تو وہ اس قدر مقبول و مشہور ہوئی کہ لوگ سیرت ابن اسحاق اصل کتاب کو بھولنے لگے۔ اور چونکہ ابن ہِشَام ابن اسحاق ہی کی کتاب کی تشخیص و تہذیب تھی اس طرح ابن اسحاق کا نام بھی زندہ رہا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ابن اسحاق کے دو شاگردوں یعنی یونس بن بکیر اور محمد بن سلمہ کی روایات کو اکٹھا کیا اور ترکی سے شائع کروایا۔ محمد بن سَلَمَہ کی روایت کردہ سیرت ابن اسحاق کے چند اجزاء ظاہریہ دمشق کے کتب خانے میں مخطوطہ کی شکل میں موجود تھے۔ اسی طرح یونس بن بکیر کی روایت کردہ سیرۃ ابن اسحاق کے کچھ اجزاء مخطوطات کی شکل میں جامعہ قرویین کے کتب خانے سے دریافت ہوئے جن کو یکجا کر کے شائع کرنے سے ابن اسحاق کی گمشدہ سیرۃ کا ایک معتد بہ حصہ منصۂ شہود پر آگیا ہے۔

(نقوش رسولؐ نمبر جلد1 شمارہ نمبر130 دسمبر1982ء صفحہ415 سیرت نگاری آغاز وارتقاء، نگار سجاد ظہیر صفحہ173 تا174 قرطاس2010ء)

اشاعت:

1۔ گوٹنگن (جرمنی) کا ایڈیشن جو کہ جرمنی میں 1860ء میں مشہور مستشرق فرڈینینڈ وسٹنفیلڈ (Ferdinand Wüstenfeld) (1808۔1899) کی نگرانی میں دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد 1858ء اور دوسری جلد 1859ء میں شائع ہوئی۔ 1026 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ایڈیشن ابن ہِشَام کی روایت پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے استاد زیاد بن عبد اللہ بَكَّائِي اور انہوں نے ابن اسحاق سے روایت کی۔ پہلی جلد کا آغاز ذِكْرُ سَرْدِ النَّسَبِ الزَّكِيِّ مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ إِلَىٰ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (محمد ﷺ سے آدمؑ تک پاکیزہ نسب کے بیان) سے ہوتا ہے۔

2۔ سِيْرَةُ ابْنِ إِسْحَاقَ مُسَمَّاةٌ بِكِتَابِ الْمُبْتَدَإِ وَالْمَبْعَثِ وَالْمَغَازِي کے نام سے عربی زبان میں محمد حمید اللہ کی تحقیق اور محمد فاسی کی تقدیم کے ساتھ 1976ء میں شائع ہوئی۔ ناشر مَعْهَدُ الدِّرَاسَاتِ وَالْأَبْحَاثِ لِلتَّعْرِيْبِ المغرب ہے۔ 395 صفحات ہیں۔ پانچ اجزاء پر مشتمل ہے۔ جو کہ یونس بن بکیر کی ابن اسحاق سے روایت پر مشتمل ہیں اور پانچ اجزاء کے ساتھ ایک قطعہ ہے جو محمد بن سَلَمَہ کی روایت پر مشتمل ہے۔ پہلے جزء کا آغاز ذِكْرُ سَرْدِ النَّسَبِ الزَّكِيِّ

مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ إِلَىٰ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (محمد ﷺ سے آدمؑ تک پاکیزہ نسب کے بیان) سے ہوتا ہے۔

3۔ کتاب السِّيَرِ وَالْمَغَازِي کے نام سے عربی زبان میں دکتور سہیل زکار کی تحقیق کے ساتھ دارالفکر دمشق سے 1978ء میں شائع ہوا۔ اس کے 438 صفحات ہیں۔ پانچ اجزاء پر مشتمل ہے جو کہ یونس بن بکیر کی ابن اسحاق سے روایت پر مشتمل ہیں اور پہلے جزء کا آغاز حَفْرُ زَمْزَمَ مِنْ قَبْلِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (عبدالمطلب سے پہلے زمزم کا کھودا جانا) سے ہوتا ہے۔

4۔ اَلسِّيْرَةُ النَّبَوِيَّةُ لِابْنِ إِسْحَاقَ کے نام سے عربی زبان میں احمد فریدی کی تحقیق کے ساتھ دارالکتب العلمیہ بیروت سے 2004ء میں شائع ہوئی۔ اس کے 735 صفحات ہیں۔ دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلے جزء کا آغاز ذِكْرُ سَرْدِ النَّسَبِ الزَّكِيِّ مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ إِلَىٰ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (محمد ﷺ سے آدمؑ تک پاکیزہ نسب کے بیان) سے ہوتا ہے۔

فارسی ترجمہ:

"سیرت رسول اللہ ﷺ" کے نام سے ایران کے ایک دانشور رفیع الدین اسحٰق بن محمد ہمدانی قاضی ابرقوہ نے سلطان مظفر الدین ابو بکر سعد بن زنگی (م 623ھ) کے کہنے پر 612ھ میں عربی سے فارسی ترجمہ کیا۔ رفیع الدین 582ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ دکتر اصغر مہدوی نے اپنی تحقیق میں 6 قلمی اور خطی نسخوں کا ذکر کیا ہے جو اس فارسی ترجمہ کی بنیاد بنے۔

ڈاکٹر حمید اللہ (م 2002ء) لکھتے ہیں:

یہ ترجمہ ساتویں صدی ہجری میں ابو بکر سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا جو اس وقت ایران میں حاکم شیراز اور عظیم شاعر شیخ سعدی کا ہم عصر تھا۔ یہ ترجمہ سیرت ابن اسحاق کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ تاریخ طبری اور تفسیر طبری کا فارسی ترجمہ ہے۔ کیوں کہ جب میں نے ترجمہ ابن اسحاق اور سیرت ابن ہِشَام کا مقابلہ کیا تو ان دونوں میں مجھے زیادہ مشابہت معلوم نہ ہوئی۔ اس ترجمہ کے متعدد قلمی نسخے دنیا میں پیرس اور لندن وغیرہ میں موجود ہیں۔

یہ فارسی ترجمہ 1341ھ بمطابق 1922ء میں تہران ایران سے شائع ہوا۔

(سیرت رسول پاک ﷺ بروایت ابنِ اسحاقؒ مقدمہ صفحہ 18، 54۔55،60۔62 مکتبہ نبویہ لاہور۔ سیرت ابن اسحاق مقدمہ تحقیق محمد حمید اللہ مَعْهَدُ الدِّرَاسَاتِ وَالْأَبْحَاثِ لِلتَّعْرِيْبِ)

اردو تراجم:

1۔ یہ ترجمہ سیرت رسولِ پاک ﷺ بروایت ابن اسحاق کے نام سے 1421ھ بمطابق 2000ء میں مکتبہ نبویہ لاہور سے شائع ہوا۔ مترجم محمد اطہر نعیمی ہیں۔ 840 صفحات ہیں۔

2۔ یہ ترجمہ سیرت ابن اسحاق کے نام سے 2009ء میں شائع ہوا۔ ناشر ملی پبلی کیشنز، نیو دہلی ہے۔ مترجم نور الٰہی ایڈووکیٹ ہیں۔504 صفحات ہیں۔ نور الٰہی ایڈووکیٹ کا یہی ترجمہ اس سے پہلے نقوش شمارہ نمبر 149، 2008ء میں ادارۂ فروغ اردو لاہور سے بھی شائع ہوا۔ اس کے 395 صفحات ہیں۔

3۔ سیرت النبی ﷺ محمد ابن اسحاق کے نام سے عاصم زبیر ہاشمی کے ترجمہ اور تحقیق کے ساتھ یہ کتاب الحنان قرآن اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع کی گئی ہے۔308 صفحات ہیں۔

انگریزی ترجمہ:

Title: The life of Muhammad a translation of Ishaq, s Sirat Rasul Allah

Author: Alfred Guillaume (8 November 1888 ۔ 30 November 1965)

مصنف: الفریڈ گیلوم (Alfred Guillaume)

1955ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوا۔431 صفحات ہیں۔

ابن اسحاق کے متعلق علماء کے تاثرات:

محدثین ان کی ثقاہت کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ (م 241 ھ) نے کہا: "ابنِ اسحاق تدلیس (روایت میں بلا تصریحِ سماع "عَنْ" یا "قَالَ" استعمال) کرتا ہے اور امام نسائی (م303 ھ) نے کہا: "ابنِ اسحاق (حدیث میں) قوی نہیں ہے۔"

اس کے ساتھ محدثین کی ایک جماعت نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ان میں ایک اہم شخصیت شعبہ بن حجاج (م160 ھ) ہیں جو اپنے دور میں جرح وتعدیل کے امام تھے۔ ان کے حوالہ سے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ

ابْنُ إِسْحَاقَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ لِحِفْظِهٖ.

ترجمہ: کہ محمد بن اسحاق علم حدیث میں اپنے حفظ کی بنا پر "امیر المومنین" کی حیثیت رکھتے ہیں۔

امام زہری کے شاگردوں کو ان کے حافظے پر اس قدر اعتماد تھا کہ اگر انھیں زہری کی کسی حدیث کے بارے میں شک ہوتا تو وہ ان سے رجوع کرتے تھے۔

مشہور محدث اور ابن اسحاق کے ایک شیخ عَاصِمِ بن عُمَر بن قَتَادَہ (م120 ھ) کا قول ہے:

لَا يَزَالُ فِي النَّاسِ عِلْمٌ مَّا عَاشَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ

ترجمہ: جب تک محمد بن اسحاق زندہ ہیں لوگوں میں علم حدیث باقی رہے گا۔

علی بن مدینی (م234 ھ) کا بیان ہے:

مَدَارُ حَدِيثِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى سِتَّةٍ، فَذَكَرَهُمْ. ثُمَّ قَالَ: فَصَارَ عِلْمُ السِّتَّةِ عِنْدَ اثْنَيْ عَشَرَ، أَحَدُهُمُ ابْنُ إِسْحَاقَ۔

ترجمہ: رسول اللہ کی حدیث کا مدار چھ راویوں پر ہے جن کا انہوں نے ذکر کیا، پھر کہا کہ ان چھ راویوں کا علم بارہ علماء کے پاس ہے جن میں سے ایک محمد ابن اسحاق بھی ہیں۔

یحییٰ بن معین (م233 ھ) کا بیان ہے: كَانَ ثِقَةً، وَكَانَ حَسَنَ الْحَدِيثِ۔

ترجمہ: وہ ثقہ (قابلِ اعتماد) تھا، اور اس کی حدیث حسن (درجہ میں اچھی) ہوتی تھی۔

امام یحییٰ بن سعید قطان (م 198 ھ) نے بھی انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ان کی بیان کردہ حدیث کو قابل حجت کہا ہے۔

سفیان بن عُيَيْنَہ (م197 ھ) نے ان کے بارے میں کہا: وَلَمْ أَرَ أَحَدًا يَتَّهِمُ ابْنَ إِسْحَاقَ

ترجمہ: مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو ابن اسحاق کو (حدیث میں) جھوٹ کا الزام دیتا ہو۔

امام ابوزرعہ (م264 ھ) کہتے ہیں: تمام اکابر اہل علم ان سے روایت لینے پر متفق ہیں۔

امام ذہبی (م 748 ھ) نے ان کے بارے میں کہا: ان کی حدیث حسن درجے کی ہے۔ وہ نیک اور سچے ہیں، البتہ جس روایت کو بیان کرنے میں وہ منفرد ہوں اس میں کچھ کمزوری ہوتی ہے۔ بہر صورت ائمہ نے انھیں قابل حجت سمجھا ہے۔

جہاں تک سیرت اور مغازی میں ابن اسحاق کی سیادت و امامت کا تعلق ہے تو وہ متفقہ ہے اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ ان کی حدیث کے بارے میں محدثین کا فیصلہ یہی ہے کہ جب ابن اسحاق صراحت سے حَدَّثَنَا (انھوں نے ہم سے بیان کیا) یا سَمِعْتُ (میں نے سُنا) کہیں نیز سند متصل ہو اور سب راوی ثقہ ہوں تو حسن لذاتہ کے مرتبے پر ہو گی۔

حسن لذاتہٖ: یہ وہ حدیث ہے جس کی اسناد شروع سے لے کر آخر تک ہر قسم کی علت سے پاک ہو اور اسے متصلاً ایسے راویوں نے روایت کیا ہو جن کا ضبط کچھ کمزور ہو۔ حسن روایات قوت میں کمتر ہونے کے باوجود شرعاً حجت و دلیل ہونے میں صحیح کے برابر ہیں۔

(سیرت نبوی ڈاکٹر مہدی رزق اللہ جلد اوّل صفحہ 45۔47 دارالعلم ممبئی۔ سیرت نگاری آغاز وارتقاء از نگار سجاد ظہیر صفحہ 160، قرطاس 2010ء۔ تہذیب التہذیب ازابن حجر عسقلانی جلد 3 صفحہ 504، 505 مؤسسۃ الرسالہ 2014ء۔ تاریخ بغداد از خطیب بغدادی جلد اوّل صفحہ 234،235 دارالکتب العلمیہ 2004ء۔ انسائیکلوپیڈیا سیرت النبی ﷺ صفحہ 196 زمزم پبلشرز)

معروف سیرت نگار شبلی نعمانی (1857۔1914ء) لکھتے ہیں:

"محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں، شہرت عام میں اگر چہ واقدی ان سے کم نہیں لیکن واقدی کی لغو بیانی مسلمہ عام ہے اور اس لئے ان کی شہرت، بدنامی کی شہرت ہے، محمد بن اسحاق تابعی ہیں، ایک صحابی (حضرت انس رضی اللہ) کو دیکھا تھا، علم حدیث میں کمال تھا، امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے، امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں، امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی لیکن جزء القراءۃ میں ان سے روایت کی ہے، تاریخ میں تو اکثر واقعات انہیں سے لیتے ہیں۔

فن مغازی کو انہوں نے اس قدر ترقی دی اور اس قدر دلچسپ بنادیا کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر اس قسم کا مذاق رکھتے تھے، ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہوگیا، چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے، ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچی۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کرکے داخل کتاب کرتے تھے جو مسلمان ہوگئے تھے اور چونکہ یہ واقعات انہوں نے یہودیوں سے سنے ہوں گے، اس لئے ان پر پورا اعتماد نہیں ہوسکتا، علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق، یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔"

(سیرت النبی از شبلی حصّہ اوّل صفحہ 44۔45 مکتبہ اسلامیہ 2012ء)

ابن عدی (م748 ھ) کہتے ہیں:

وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لِابْنِ إِسْحَاقَ مِنَ الْفَضْلِ إِلَّا أَنَّهُ صَرَفَ الْمُلُوكَ عَنِ الِاشْتِغَالِ بِكُتُبٍ لَا يُحَصَّلُ مِنْهَا شَيْءٌ إِلَى الِاشْتِغَالِ بِمَغَازِي رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَبْعَثِهِ وَمُبْتَدَإِ الْخَلْقِ، لَكَانَتْ هٰذِهٖ فَضِيلَةً سَبَقَ بِهَا ابْنُ إِسْحَاقَ، وَقَدْ فَتَّشْتُ أَحَادِيثَهُ الْكَثِيرَةَ، فَلَمْ أَجِدْهَا تُهَيِّئُ أَنْ يُقْطَعَ عَلَيْهِ بِالضَّعْفِ، وَرُبَّمَا أَخْطَأَ وَاتُّهِمَ فِي الشَّيْءِ بَعْدَ الشَّيْءِ كَمَا يُخْطِئُ غَيْرُهُ۔(الروض الانف جلد1 صفحہ4 دار الکتب العلمیہ)

ترجمہ: اگر محمد بن اسحاق کی سوائے اس کے کوئی اور فضیلت نہ بھی ہوتی کہ انہوں نے بادشاہوں کو ایسی کتابوں کے مطالعے سے ہٹا کر رسول اللہ ﷺ کی مغازی، آپ کی بعثت اور مخلوقات کی ابتدا جیسے امور میں مشغول کر دیا، تو یہی ایک فضیلت کافی تھی جس میں ابن اسحاق نے سبقت حاصل کی۔

میں نے ان کی بہت سی احادیث کا جائزہ لیا، اور ان میں ایسا کچھ نہیں پایا کہ جس کی بنیاد پر ان پر ضعیف (کمزور راوی) ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔ ہاں، بعض اوقات وہ غلطی کر جاتے تھے یا کسی بات میں ان پر الزام بھی لگایا گیا، جیسے کہ دوسرے راوی بھی کبھی کبھار غلطی کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ (م204 ھ) کا قول ہے کہ

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَبَحَّرَ فِي الْمَغَازِي فَهُوَ عِيَالٌ عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ۔ ترجمہ: جو مغازی میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ابن اسحاق کا محتاج ہے۔

سفیان بن عُیَیْنَہ (م197 ھ) نے بیان کیا کہ:

قَالَ أَبُو بَكْرٍ الْهُذَلِيُّ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ: لَا يَزَالُ بِالْمَدِينَةِ عِلْمٌ جَمٌّ مَا كَانَ فِيهِمُ ابْنُ إِسْحَاقَ۔

ترجمہ: ابو بکر ھُذَلِی بیان کرتے ہیں کہ میں نے زُہری کو یہ کہتے سنا: مدینہ میں علم کی بہت بڑی دولت ہمیشہ موجود رہے گی، جب تک کہ ابنِ اسحاق ان میں موجود ہیں۔

(تاریخ بغداد از خطیب بغدادی جلد اول صفحہ 234، 235 دار الکتب العلمیہ 2004ء)

ڈاکٹر فاروق حمادہ (پیدائش 1949ء) ابن اسحاق کے متعلق لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، فَقَدْ كَانَ إِمَامَ هٰذَا الفَنِّ، أَعْنِي فَنَّ السِّيرَةِ لِمَنْ بَعْدَهُ عَلَى اخْتِلَافِهِمْ، بِلَا مُنَازِعٍ،

فَكِتَابُهُ فِي «الْمَغَازِي» كَانَ الْمَصْدَرَ الْخِصْبَ، وَالْمَادَّةَ الأَسَاسِيَّةَ لِكُلِّ مَنْ يَكْتُبُ أَوْ يَتَحَدَّثُ فِي السِّيرَةِ، وَيَنْدُرُ جِدًّا أَنْ تَجِدَ مُؤَلِّفًا بَعْدَهُ يَتَعَرَّضُ لِلسِّيرَةِ وَلَا يَنْقُلُ عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ۔

إِلَّا أَنَّ أَمْرًا كَانَ يَتَّفِقُ عَلَيْهِ الْجَمِيعُ فِي شَأْنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، أَلَا وَهُوَ إِمَامَتُهُ فِي الْمَغَازِي وَالسِّيَرِ، فَقَدْ كَانَ الْجَمِيعُ يُقِرُّونَ لَهُ بِذٰلِكَ، وَيُعَوِّلُونَ عَلَيْهِ، وَيَرْجِعُونَ إِلَى كِتَابِهِ. قَالَ الشَّافِعِيُّ: مَنْ أَرَادَ الْمَغَازِيَ فَهُوَ عِيَالٌ عَلَى ابْنِ إِسْحَاقَ. وَلِهٰذَا يَقُولُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِي تَقْرِيبِ التَّهْذِيبِ: «إِمَامُ الْمَغَازِي»، وَأَنْصَفَ ابْنُ سَيِّدِ النَّاسِ بِقَوْلِهِ: هُوَ الْعُمْدَةُ فِي الْبَابِ لَنَا وَلِغَيْرِنَا۔

(مصادر السیرۃ النبویہ از فاروق حمادہ صفحہ 89۔90 دار القلم دمشق)

ترجمہ: محمد بن اسحاق، تو وہ فنِ سیرت میں بعد کے تمام مصنّفین کے متفقہ امام تھے، اس میدان میں ان کا کوئی مدِّ مقابل نہ تھا۔ ان کی کتاب سیرتِ نبوی کا ایک زرخیز ماخذ اور بنیادی مواد تھی، اور یہ بات نہایت کم دیکھنے میں آتی ہے کہ ان کے بعد کوئی مؤلف سیرت پر کچھ لکھے یا گفتگو کرے اور ابن اسحاق سے استفادہ نہ کرے۔

البتہ ایک بات ایسی تھی جس پر ابن اسحاق کے بارے میں سب کا اتفاق تھا، اور وہ یہ کہ وہ مغازی اور سیرت کے امام تھے۔ سب لوگ اس کا اعتراف کرتے، ان پر اعتماد کرتے، اور ان کی کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: جس نے مغازی (سیرت کے جنگی واقعات) کا علم حاصل کرنا ہو، وہ ابن اسحاق ہی کا محتاج ہے۔ اسی وجہ سے حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب تقریب التہذیب میں ابن اسحاق کو "امام المغازی" کہا، اور ابْنُ سَيِّدِ النَّاس (ابو الفتح فتح الدین محمد بن محمد۔ 671ھ۔734ھ / 1272ء۔1334ء) نے انصاف کے ساتھ کہا: وہ (ابن اسحاق) اس باب میں ہمارے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی اصل حوالہ اور بنیاد ہیں۔

محمد فاسی سیرت ابن اسحاق کی تقدیم میں سیرت ابن اسحاق کے متعلق لکھتے ہیں:

وَإِنَّ سِيرَةَ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ تُعْتَبَرُ مِنْ أَصَحِّ الْمَرَاجِعِ وَأَثْبَتِهَا عَنْ حَيَاةِ الرَّسُولِ الْكَرِيمِ مُنْقِذِ الْبَشَرِيَّةِ مِنَ الْعُبُودِيَّةِ الْفِكْرِيَّةِ وَالرُّوحِيَّةِ وَالسِّيَاسِيَّةِ، وَقَدِ اعْتَمَدَ عَلَيْهَا كُلُّ الَّذِينَ أَلَّفُوا فِي هٰذَا الْمَوْضُوعِ، وَقَدْ بَلَغَ مِنْ تَقْدِيرِ جَهَابِذَةِ الْعُلَمَاءِ لَهُ أَنْ لُقِّبَ قَبْلَ الْإِمَامِ الْبُخَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِـ«أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْحَدِيثِ». وَإِنِ انْتَقَدَ الْبَعْضُ طَرِيقَتَهُ فِي رِوَايَةِ الْحَدِيثِ، فَإِنَّ الْإِجْمَاعَ يَكَادُ يَكُونُ شَامِلًا فِيمَا يَرْجِعُ لِلثِّقَةِ بِأَخْبَارِهِ حَوْلَ الْمَغَازِي وَمَا

يَتَعَلَّقُ بِتَارِيخِ الْحِقْبَةِ الْأُولَى مِنْ ظُهُورِ الْإِسْلَامِ إِلَى وَفَاةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(سِيْرَةُ ابْنُ إِسْحَاقَ تحقیق محمد حمید اللہ۔ مَعْهَدُ الدِّرَاسَاتِ وَالْأَبْحَاثِ لِلتَّعْرِيْب 1976ء)

ترجمہ: اور بلاشبہ محمد بن اسحاق کی سیرت نبی ﷺ، رسولِ کریم ﷺ کی زندگی کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند مراجع میں شمار ہوتی ہے، جو کہ انسانیت کو فکری، روحانی اور سیاسی غلامی سے نجات دینے والے ہیں۔ اس موضوع پر جتنے لوگوں نے بھی تصنیف کی ہے، انہوں نے ان کی سیرت پر اعتماد کیا ہے۔ اور جلیل القدر علماء نے انہیں اتنا سراہا کہ امام بخاریؒ سے پہلے ہی انہیں "امیر المؤمنین فی الحدیث" کا لقب دیا۔ اگرچہ بعض نے ان کی حدیث روایت کرنے کے طریقہ پر تنقید کی ہے، لیکن مغازی اور ابتدائی دورِ اسلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک کے تاریخی بیانات پر ان کی خبریں تقریباً اجماعی طور پر قابلِ اعتماد مانی جاتی ہیں۔

الفریڈ گیلوم (Alfred Guillaume) نے سیرت ابن اسحٰق کے انگریزی ترجمہ کی ابتداء میں دیباچہ میں لکھا ہے:

Other maghazi works were produced in Iraq, Syria, and the Yaman during the second century, but none of them is likely to have influenced I.I. and they can safely be disregarded. What is of significance is the great interest in the life of the prophet that was shown everywhere during this century: But no book known to the Arabs or to us can compare in comprehensiveness, arrangement, or systematic treatment, with I.I.'s work.[1]

ترجمہ: مغازی پر مشتمل دیگر کتب دُوسری صدی میں عراق، شام اور یمن میں لکھی گئیں لیکن اس بات کا شاذ ہی امکان ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی ابنِ اسحٰق کے کارنامے کو متاثر کیا ہو اور اسی وجہ سے ان کتب کو سہولت سے نظر انداز کیا جاسکتا ہے جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس صدی میں ہر جگہ حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ میں کمال دلچسپی لی گئی۔ لیکن ہمارے اور عربوں کے علم میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو جامعیت، ترتیب و تنظیم اور باضابطہ تحریر کے اعتبار سے سیرت ابن اسحٰق سے لگا کھا سکے۔

(نقوش رسولؐ نمبر جلد 1 شمارہ نمبر 130 دسمبر 1982ء صفحہ 415)

[1] The life of Muhammad a translation of Ishaq, s Sirat Rasul Allah.page xvii introduction oxford university press 1955

امریکی پروفیسر جوزف ہوروِتس(Joseph Horowitz born 1948) لکھتا ہے:

Muhammad ibn Ishaq, the third in a row of al-Zuhri's disciples who composed a Kitab al-Maghazi, outshone the fame of all his predecessors and contemporaries by his work; and his book is the first that has come down to us, not as fragments or extracts but as a whole.[1]

ترجمہ: زہری کے تلامذہ کی صف میں تیسرے محمد بن اسحاق ہیں جن کی تالیف کتاب المغازی نے اُن کے سب ہم عصروں اور پیشروؤں کی شہرت کو ماند کر دیا ہے۔ ان کی تالیف سیرۃ کے موضوع پر پہلی تحریر ہے جو ہمیں اقتباسات کی شکل میں نہیں، بلکہ ایک مکمل اور خاصی ضخیم کتاب کی صورت میں ملی ہے۔

(سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین۔ مترجم نثار احمد صفحہ 109-110 ادارہ ادبیات دہلی 1974ء)

موجودہ زمانہ کا ایک مصنف نگار سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

محمد ابن اسحاق مدنی اسکول کے ایسے نمائندہ سیرت نگار ہیں جنہوں نے محدثین اور یہودی علماء کے مواد کو اکٹھا کرنے کی پہلی کوشش کی چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب المغازی میں احادیث، تاریخی روایات، اسرائیلیات، عوامی قصوں، صحیح اور موضوع اشعار کو جمع کیا جس کی وجہ سے فطری طور پر مدینہ کے روایت پسند علماء نے ان پر سخت تنقید کی لیکن کوفہ اور بصرہ کے اخباری مدرسہ تاریخ میں، ان کو وہاں کے رجحانات سے میل کھانے کی وجہ سے قدر کی نظر سے دیکھا گیا اور پھر ابن هِشَام کی تہذیب و تنقیح کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے محدثین نے بھی اپنی رائے بدل لی اور اس کو نہ صرف استحسان کی نظر سے دیکھا بلکہ اس کی معلومات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی سیرت و تاریخ کی کتابوں کے بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا۔ بعد کے مؤرخین نے سیرت نبوی کے بارے میں اس کتاب پر پورا پورا اعتماد کیا چنانچہ امام طبری سے لے کر ابن خلدون تک ہر قابل ذکر مؤرخ نے ابن اسحاق سے بکثرت روایت کی ہے۔

المختصر ابن اسحاق کی سیرت اپنے فن میں ایک منفرد اور اساسی حیثیت رکھتی ہے اور بعد کے زمانے میں جس نے بھی سیرت کے موضوع پر قلم اٹھایا اسے ابن اسحاق کی خوشہ چینی کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ ابن اسحاق کو علم سیرت

---

[1] The Earliest Biographies of the Prophet and Their Authors page:74،75 the Darwin press New Jersey 2002

سے وہی نسبت ہے جو حکیم ارسطاطالیس کو علم منطق سے، امام شافعی کو علم اصول فقہ سے اور خلیل بن احمد فراہیدی کو علم عروض سے ہے۔ ابن اسحاق سے پہلے فن سیرت موجود تھا، علم سیرت کا سارا مواد بھی موجود تھا، لیکن ابن اسحاق نے اس کو انتہائی مربوط خطوط پر استوار کیا، اس انداز سے مرتب کیا کہ بعد میں آنے والا ہر شخص ان کا ممنون احسان ہے۔

(سیرت نگاری آغاز وارتقاء از نگار سجاد ظہیر صفحہ 177 تا178، قرطاس2010ء)

ابنِ اسحاق وفات مسیح کے قائل تھے۔ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:

"بعض ائمہ دیگر بھی مثل ابن اسحاق اور وہب وغیرہ کے وفات مسیح کے قائل ہیں۔"

(الحق مباحثہ دہلی۔ روحانی خزائن جلد4 صفحہ 299)

مضمون کا خاتمہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے کے ابنِ اسحاق کے متعلق الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپؓ لکھتے ہیں:

"ابنِ اسحاق بھی امام زہری کے شاگردوں میں سے تھے اور **سیرۃ میں بڑا پایہ رکھتے ہیں**۔ ان کی کتاب سیرۃ ومغازی میں بطور بنیاد کے سمجھی گئی ہے اور اکثر بعد کے مؤرخین ان کے خوشہ چین ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کی ثقاہت پر شُبہ کیا ہے مگر یہ دُرست نہیں؛ البتہ چونکہ اُن کا طبعی میلان سیرۃ کی طرف تھا۔ اس لئے حدیث کے سخت معیار کے مطابق وہ پورے نہیں اُترتے۔ اسی لیے امام بخاری نے حدیث میں ان سے روایت نہیں لی، لیکن تاریخ میں آزادی سے لی ہے۔ ...

ابنِ ھِشَام کی سیرۃ میں اس کا بیشتر حصہ اس طرح آگیا ہے کہ اصل کتاب کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ صفحہ 33,32)

❁❁❁❁❁

اسلام کی تعلیم کا بنیادی کمال

قسط دوم:

اعتدال و حکمت کی تعلیم

اسلام کی تعلیم کا ایک بنیادی کمال اس کے احکامات میں اعتدال ہے۔(سیّد میر محمود احمد ناصر)

(25) اسلام کی تبلیغ اور نظام کے ماتحت اجتماعی کاموں کے لئے ایک کلیدی ارشاد یہ ہے: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔(التوبہ: 122)مومنوں کے لئے ممکن نہیں کہ وہ تمام کے تمام اکٹھے نکل کھڑے ہوں پس ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ان کے ہر فرقہ میں سے ایک گروہ نکل کھڑا ہو تا کہ وہ دین کا فہم حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو خبردار کریں جب وہ ان کی طرف واپس لَوٹیں تا کہ شاید وہ (ہلاکت سے) بچ جائیں۔اس میں اعتدال اور حکمت کا پہلو یہ بھی ہے کہ تمام کے تمام لوگ ہمہ وقتی خدمتِ دین کرنے والے نہیں ہو سکتے۔ معاشرہ کی باقی ذمہ داریاں بھی ضروری ہیں۔ لیکن اگر ایک معاشرہ کلیّۃً خدمت دین کرنے والوں سے خالی ہو تو یہ بھی ایک نقصان دہ خلا ہے۔ پس ہر معاشرہ میں سے کچھ لوگ ہمہ وقت خدمت دین کرنے والے ہونے چاہئیں۔

(26) جہاں مذہب سوز اور رقّت اور درد کا خدا کے حضور تقاضا کرتا ہے وہاں قرآن شریف مذہبی کیفیات کو یہاں تک محدود نہیں کرتا بلکہ قرآن شریف کے موعظہ اور شفاء اور ہدایت اور رحمت ہونے کا ذکر فرما کر یہ بھی ارشاد کرتا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔(یونس: 59) کہ آپ کہہ دیں کہ یہ محض اللہ کے فضل اور اسی کی رحمت سے ہے۔ پس اس پر چاہیئے کہ وہ بہت خوش ہوں۔ اسی طرح دشمنوں اور مخالفوں کی تکلیف دہ باتوں کے بارہ میں فرمایا

وَلَا یَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۔(یونس: 66) کہ تمہیں ان کی بات غمگین نہ کرے۔

(27) قرآن مجید مومنوں کو ارشاد فرماتا ہے اَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ ۔(ہود:4) حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یاد رکھو کہ دو چیزیں اس امّت کو عطا فرمائی گئی ہیں ایک قوّت حاصل کرنے کے واسطے اور دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے۔ قوّت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے۔“

(الحکم مورخہ 24 جولائی 1902ء صفحہ 10 کالم 1)

(28) قرآن شریف نہ صرف ظلم کرنے سے سختی سے منع فرماتا ہے بلکہ ظلم کرنے والوں کی طرف مائل ہونے اور جھکنے کی اجازت بھی نہیں دیتا جیسا کہ فرماتا ہے وَلَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۔(ہود: 114) کہ ان لوگوں کی طرف جو ظلم کرتے ہیں جھکنا بھی نہ ورنہ تمہیں جہنم کی آگ کی لپٹ پہنچے گی۔

(29) قرآن مجید متعدد اوقات دن ورات میں نماز کی ادائیگی کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ کہ تو دن کی دونوں طرفوں نیز رات کے متعدد اور مختلف اوقات میں عمدگی سے نماز ادا کر۔ اس کی حکمت یہ بیان فرمائی اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ۔(ہود: 115) یقیناً نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ گویا انسان دن رات کے اوقات میں کئی غلطیوں اور گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے مگر یہ نمازیں بار بار آکر ان کا تدارک کر دیتی ہیں۔

(30) قرآن مجید فرماتا ہے قُلۡ لِّعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ ۔(ابراھیم: 32) کہ اے رسول میرے ان بندوں سے جو ایمان لا چکے ہیں کہو کہ وہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کریں۔ اس ارشاد میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اکٹھا ذکر کر کے توجہ دلائی گئی ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں اور دونوں کی ادائیگی ضروری ہے۔

(31) قرآن مجید فرماتا ہے يُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً ۔(ابراہیم: 32) کہ مومنوں کو کہا جائے کہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے پوشیدگی میں اور علانیۃً خرچ کریں۔ پوشیدگی میں خرچ کرنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور علانیۃً خرچ کرنے سے دوسروں کو تحریک ہوتی ہے۔

(32) قرآن شریف یہ دعا سکھلاتا ہے رَبِّ اجۡعَلۡنِيۡ مُقِيۡمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ ۔(ابراہیم: 41) اے میرے ربّ مجھے تمام شرائط کے ساتھ اور عمدگی سے نماز قائم کرنے کی توفیق دے اور میری اولاد اور نسل کو بھی۔ اس حکم کے ذریعہ

قرآن شریف نے ایک نسل نہیں بلکہ آئندہ نسلوں کی اصلاح کا بھی بندوبست کیا ہے۔

(33) قرآن شریف نے اس سے اگلی آیت میں گذشتہ نسل کے احسانات اور نیکیاں بھول جانے کا بھی علاج کیا ہے اور فرماتا ہے رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔(ابراہیم: 42) کہ اے ہمارے ربّ مجھے بھی بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی اور تمام مومنوں کو بھی۔

(34) قرآن شریف نے مشکلات اور مصائب اور ابتلاؤں کے وقت یہ ارشاد فرمایا ہے لَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰہَ مُخۡلِفَ وَعۡدِہٖ رُسُلَہٗ۔(ابراھیم: 48) کہ ابتلاؤں کے اس دور میں یہ نہ سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی جو وہ اپنے رسولوں سے کرتا ہے وعدہ خلافی کرنے والا ہے۔ اس کا وعدہ بہر حال پورا ہو کر رہے گا۔

(35) قرآن شریف ان مخالفین کے بارہ میں جو ہر قسم کے دلائل اور نشانات اور نصائح کے باوجود ایمان نہیں لاتے یہ ارشاد فرماتا ہے ذَرۡہُمۡ یَاۡکُلُوۡا وَ یَتَمَتَّعُوۡا وَ یُلۡہِہِمُ الۡاَمَلُ۔(الحجر: 4) کہ تم ان کو کھانے پینے اور وقتی سامانوں سے نفع اٹھانے میں مشغول چھوڑ دو۔ اور قرآن مجید ان لوگوں کی تائید نہیں کرتا جو ایمان نہ لانے والوں کو تہہ تیغ کرنا چاہتے ہیں۔

(36) اس بات کی طرف اشارہ اسی سورۃ کی اس آیت میں ہے فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ۔(الحجر: 95) کہ جو آپ کو حکم دیا جارہا ہے اس کو کھول کر بتائیں مگر مشرکین کی قتل و غارت کی بجائے حکم ہے کہ ان سے اعراض کریں۔

(37) قرآن شریف اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ کہ اللہ کے لئے (مخلوق سے) مثالیں نہ دو۔ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔(النحل: 75) کیونکہ اللہ سب علم رکھتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس آیت میں تشبیہی صفات کے بیان سے جو غلط فہمی ہو سکتی ہے اس کو دور کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

(38) قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ یَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡبَغۡیِ۔(النحل: 91) قرآن شریف پر مغربی معترضین اگر اس آیت کو ہی غور سے پڑھ لیں اور اس کے مطالب پر تدبر کریں تو وہ تمام اعتراض جو وہ قرآن شریف پر کرتے ہیں ردّ ہو جاتے ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو ظالم نہ بنو۔ پس جیسا کہ درحقیقت بجز اُس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ کوئی بھی محبت کے لائق نہیں کوئی بھی

توکّل کے لائق نہیں۔ کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت وربوبیت خاصہ کے ہر یک حق اُسی کا ہے۔ اِسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اُس کی پرستش میں اور اُسکی محبت میں اور اُس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اِس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اُس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادّب بن جاؤ اور اُس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اُس کی عظمت اور جلال اور اُس کے حُسنِ لازوال کو دیکھ لیا ہے۔

بعد اس کے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلّف اور تصنّع دُور ہو جائے اور تم اُس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔

اور دوسرے طور پر جو ہمدردی بنی نوع سے متعلق ہے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو اور اپنے حقوق سے زیادہ اُن سے کچھ تعرّض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔

اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو اپنے بھائی کی بدی کے مقابل نیکی کرے اور اُس کی آزار کی عوض میں تُو اس کو راحت پہنچاوے اور مروّت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔

پھر بعد اس کے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجالاوے اس سے کوئی اور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسی شدت قرابت کے جوش سے ایک خویش دوسرے خویش کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدّعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشوونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلّف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گذاری یا دعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔“

(ازالہ اوہام حصہ دوم۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 550 تا 552)

(39) قرآن شریف فرماتا ہے اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَ لَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا کہ اللہ سے عہد کو

جب تم عہد کرو پورا کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو۔ اس حکم کی حکمت کا یہ پہلو بیان فرماتا ہے وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۔(النحل: 92) کیونکہ تم نے (ان قسموں کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن بنالیا ہے۔

(40) قرآن شریف فرماتا ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔(النحل: 99) کہ جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔

حضرت مصلح موعودؓ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ سوال کہ قرآن سے پہلے استعاذہ (اَعُوْذ پڑھنے) کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور وہیں آتا ہے جہاں خزانہ ہو اور اسی سے مقابلہ کرنے کی فکر کی جاتی ہے جس سے خطرہ ہو۔ قرآن کریم ایک ایسا روحانی خزانہ ہے جس کے مٹانے کے لئے شیطان تڑپتا ہے اور وہی ہتھیار ہے جس سے اس کا سر کچلا جاتا ہے۔ پس شیطان اور شیطانی لوگ پوری کوشش کرتے ہیں کہ اس سے لوگوں کو دور رکھیں۔ اس وجہ سے اس کی تلاوت سے پہلے استعاذہ کا حکم دیا۔“

(تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ جلد 6 صفحہ 189 ایڈیشن 2023ء)

(41) قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کہ اللہ نے جو تمہیں حلال اور طیب دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو۔ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ میں اعتدال کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ کھاؤ اور پھر فرمایا اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔(النحل: 115) کہ حلال اور طیب جو خدا تعالیٰ نے دیا ہے اس کو کھا کر اللہ کی نعمت کا شکر اس لئے ضروری ہے کہ تم صرف اللہ کی عبادت کے مدّعی ہو اور اللہ کے دیئے ہوئے میں سے کچھ کھانا اور اس پر شکر نعمت کرنا عبادت کے لئے لازمی ہے۔

(42) قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ کہ تم جھوٹ موٹ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام نہ قرار دو تمہارا خود اپنی طرف سے حلال و حرام قرار دینا جھوٹ افتراء ہو گا۔ اور اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۔(النحل: 117) اور اللہ پر جھوٹ، افتراء کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

(43) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ کہ اپنے ربّ کے راستہ کی طرف حکمت اور خوبصورت وعظ کے ذریعہ بلاؤ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔(النحل: 126) اور اس طریق سے جو سب

سے اچھا ہو اختلافات کے متعلق بحث کرو۔ یہ آیت مذہبی تنازعات اور اختلافات کے معاملہ میں کلیدی ارشاد کی حامل ہے۔ ہاں اگر اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ اگر تم ان کا تعاقب کرو تو اسی قدر کرو جو انہوں نے کیا وَ لَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَہُوَ خَیۡرٌ لِّلصّٰبِرِیۡنَ۔(النحل: 127) لیکن اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے اچھا ہے۔

(44) قرآن مجید نے جزا سزا کے بارہ میں جو بنیادی اور کلیدی اصول بیان کئے ہیں وہ اس کی تعلیم کو نمایاں مقام دیتے ہیں۔ فرماتا ہے وَ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ؕ وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ۔(بنی اسرائیل: 16) کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھاتی (اس حکیمانہ اصول اور عادلانہ منصفانہ ارشاد کے بعد کفارہ کا غلط تصور بالکل مٹ جاتا ہے) دوسرا اصول ہے کہ رسولوں کی بعثت کے ذریعہ وارننگ دیئے بغیر عذاب کا سلسلہ دنیا میں جاری نہیں کیا گیا۔

(45) قرآن مجید نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اکٹھا بیان کر کے حقوق العباد کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا۔(بنی اسرائیل: 24) کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیک سلوک کرو۔

(46) قرآن شریف نے اپنے احکامات میں اعتدال کو جس طرح ملحوظ رکھا ہے اس کی ایک مثال یہ حکم ہے وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا کہ رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور مسکین کو اور مسافر کو۔ حق کا لفظ کہہ کر اس مالی قربانی کی اہمیت بیان فرمادی مگر ساتھ ہی نیکی کے کاموں میں بھی غلط رنگ کا اسراف ہو سکتا ہے اس لئے ساتھ ہی فرمایا وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا۔ اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ۔(بنی اسرائیل: 27،28) کہ اسراف کی حدود کو تجاوز نہ کرو کیونکہ اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

(47) قرآن شریف نے معاشی استحکام کا اس آیت میں حکم دیا ہے وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا۔(بنی اسرائیل: 30) اور تم نہ تو بخل کی وجہ سے اپنے ہاتھ کو باندھ کر اپنی گردن میں ڈال لو اور نہ اسراف میں پڑ کر اس کو بالکل کھول لو ورنہ تم ملامت زدہ ہو کر یا تھک کر بیٹھ رہو گے۔

(48) قرآن شریف نے انسانی جان کا احترام قائم کیا ہے ورنہ اسلام سے قبل اور بعد مذہب کے نام پر انسانی جان قربان کی جاتی رہی ہے۔ فرماتا ہے وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ تم مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ۔ ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا۔(بنی اسرائیل: 32) انہیں قتل کرنا یقیناً

بہت بڑی غلطی ہے۔

(49) قرآن شریف صرف گناہ سے نہیں روکتا بلکہ ان ابتدائی باتوں سے بھی روکتا ہے جو کسی بڑے گناہ کی طرف لے جانے پر منتج ہوتی ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے صرف زنا سے منع نہیں کیا بلکہ فرمایا ہے لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی۔(بنی اسرائیل: 33) کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یعنی ان باتوں سے بھی بچو جو بتدریج زنا تک لے جاتی ہیں۔

(50) قرآن شریف نے انسانی جان کی حرمت کو قائم کرنے کے لئے یہ ایک بنیادی اصول ارشاد فرمایا ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ اور جس نفس کی اللہ تعالیٰ نے حرمت قائم کی ہے اس کو حق کے سوا قتل نہ کرو۔ اور اس کی روک تھام کے لئے ایک اہم طریق اس آیت میں بیان فرمایا وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا کہ جو شخص مظلوم مارا جائے اس کے وارث کو ہم نے قصاص کا اختیار دیا ہے مگر قصاص کے اختیار کا یہ مطلب نہیں کہ انسانی جان کو تہہ تیغ کرنا لازمی ہے۔ فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ۔(بنی اسرائیل: 34) کہ وارث مقررہ حدّ سے آگے نہ بڑھے اور زیادتی نہ کرے۔

(51) قرآن شریف نے یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور اس کے حسن انتظام کا ارشاد فرماتا ہے فرمایا: وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ کہ تم اس طریق کے علاوہ جو یتیم کے حق میں سب سے زیادہ اچھا ہو کسی اور طرح یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ اس آیت میں بھی لَا تَقْرَبُوْا کے الفاظ کا استعمال کیا ہے جو گویا یتامیٰ کے اموال کے گرد حفاظتی جنگلہ باندھ رہے ہیں۔ ساتھ ہی فرماتا ہے کہ یتیم کے مال کی ذمّہ واری ایک عہد ہے فرمایا وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۔(بنی اسرائیل: 35) کہ اپنے عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے متعلق ایک دن جواب طلبی ہو گی۔

(52) قرآن شریف نے ایک نہایت کلیدی ہدایت جو اعتدال اور حکمت سے لبریز ہے اس آیت میں فرمائی ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کہ اے قرآن کے پڑھنے اور ماننے والے جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کی اتباع نہ کرو اور وہ موقف اختیار نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا۔(بنی اسرائیل: 37) یعنی کان اور آنکھ اور دل سب سے پوچھا جائے گا۔

اس آیت کی تشریح میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ”طریق تقویٰ یہ ہے کہ جب تک فراست کاملہ اور بصیرت صحیحہ حاصل نہ ہو تب تک کسی چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت کی نسبت حکم نافذ نہ کیا جاوے۔“

(مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 19)

پھر فرمایا:

"کان اور آنکھ اور دل جو ہیں ان سب سے باز پرس کی جائے گی........ مگر دل کا گناہ خطرات اور خیالات نہیں ہیں کیونکہ وہ تو دل کے بس میں نہیں ہیں بلکہ دل کا گناہ پختہ ارادہ کر لینا ہے۔"

(نور القرآن نمبر 2۔ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 428, 427)

(53) قرآن شریف نے غرور و تکبّر کا جڑھ سے قلع قمع فرمایا ہے اور اس کی تمام شکلوں سے منع فرمایا ہے۔ فرماتا ہے وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اور زمین پر اکڑ کر مت چلو اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔(بنی اسرائیل: 38) تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندیوں تک پہنچ سکتے ہو۔(جب ان مادی چیزوں کی تم برابری نہیں کر سکتے تو تمہارا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کیا معنے رکھتا ہے۔)

(54) قرآن مجید نے انسانوں کی باہمی محبت اور ہمدردی کے تعلق پر خاص زور دیا ہے جیسا کہ فرمایا قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ۔(بنی اسرائیل: 54) کہ میرے بندو کو کہو کہ وہ بات کہیں جو سب سے زیادہ خوبصورت ہو اس حکم کی ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا رہتا ہے۔ بظاہر یہ چھوٹا سا حکم ہے مگر معاشرہ انسانی کے لئے عظیم نتائج پر منتج ہوتا ہے۔

(55) قرآن شریف احکام شریعت کو وقت کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم فرماتا ہے اور دونوں وقتوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کا ارشاد فرماتا ہے مثلاً فرماتا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا۔(بنی اسرائیل: 79) کہ سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی کے چھا جانے تک نماز قائم کرو اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کو لازم سمجھو۔ اسی طرح روزہ اور حج کے اوقات مقرر ہیں اور زکوٰۃ کو فرضیت کے وقت ادا کرنے کا حکم ہے مگر ذکر الٰہی اور تقویٰ دائمی نیکیاں ہیں کسی معین وقت کے ساتھ محدود نہیں۔

قرآن مجید نیکی کے کاموں کو صرف دن کی روشنی کے ساتھ وابستہ نہیں کرتا بلکہ فرماتا ہے وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ۔(بنی اسرائیل: 80) کہ رات کو بھی تم اس قرآن کے ذریعہ کچھ سو لینے کے بعد شب بیداری کیا کرو جو تم پر ایک زائد انعام ہے۔

(56) قرآن شریف ایک جگہ اور ایک صورتحال میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے کے وقت دعا کی تاکید فرماتا ہے وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ کہ کہو اے میرے ربّ میرا داخل ہونا بھی سچائی کے ساتھ ہو

اور میرا نکلنا بھی سچائی کے ساتھ ہو۔ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا۔(بنی اسرائیل: 81)اور اپنے پاس سے مجھے ایسا غلبہ عطا فرما جو (تیری) مدد کا ذریعہ بنے۔ بعض مخالفین نے قرآنی تعلیم پر جھوٹ کی اجازت کا الزام لگایا تھا ان کے لئے یہ آیت قابل توجہ ہے۔

(57) قرآن شریف مسلمانوں کو ہدایت فرماتا ہے وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہو کہ ہر تعریف اللہ کے لئے ہے لیکن اس حکم کی ساتھ ہی حکمت بھی بیان فرماتا ہے الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا۔ بعض دوسرے مذاہب نے خدا کا بیٹا بنا کر خدا تعالیٰ کو کمزور اور محتاج قرار دیا ہے۔ وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ اور نہ ہی حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور بعض مذاہب کائنات کے انتظام میں خدا کا ہم سر قرار دیتے ہیں وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ۔(بنی اسرائیل: 112)اور نہ ہی خدا عاجز ہے کہ اس کو مددگار کی ضرورت ہو جیسا کہ بعض مذاہب خدا میں بشری کمزوریاں دیکھتے ہیں۔

(58) قرآن شریف فرماتا ہے کہ قرآن جو سراسر صداقت ہے تمہارے خالق، تمہارے مالک، تمہارے تربیت کرنے والے، تمہارے محسن کی طرف سے اترا ہے۔ فرماتا ہے قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ لیکن ساتھ ہی وضاحت ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود اس جو جبراً نہیں منوایا جائے گا۔ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ۔(الکھف: 30)پس جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جو چاہے اس کا انکار کر دے۔ یہ وہ تعلیم ہے جو قرآن کو ان لوگوں سے ممتاز کرتی ہے جو تلوار کے بل پر ایمان لانے کا حکم کر دیتے ہیں۔

(59) قرآن شریف مخالفین کے خلاف تادیبی کارروائی کے بارہ میں فرماتا ہے اَلَمۡ تَرَ اَنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ تَؤُزُّہُمۡ اَزًّا۔ فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَہُمۡ عَدًّا۔(مریم: 84،85) کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم نے شیطانوں کو چھوڑ رکھا ہے کہ وہ کافروں کو اکساتے رہیں۔ مگر تم ان کے خلاف جلدی کوئی قدم نہ اٹھاؤ ہم نے ان کی تباہی کے دن گن رکھے ہیں۔ یہ آیت ان کے لئے قابل توجہ ہے جو مخالفین پر تلوار سونتے کھڑے ہیں۔

(60) قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ کہ میں اللہ یعنی واحد خالق ومالک، تمام صفات حسنہ کا مالک اور تمام کمزوریوں اور غلطیوں سے پاک ہوں۔ فَاعۡبُدۡنِیۡ اس لئے میں ہی اس قابل ہوں کہ میری عبادت کی جائے یعنی میری صفات حسنہ کا نقشہ اپنے اندر کھینچا جائے اور میرا ہی خوف اور میری ہی محبت اور میری ہی اطاعت کی جائے وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔(طٰہٰ: 15)اور عبادت کا بہترین ذریعہ جس سے میری ذات وصفات تمہیں

یادرہیں گی نماز ہے۔

(61) قرآن مجید میں کئی مقامات پر علم کے حصول کی فضیلت کا بیان ہے اور سورۃ طٰہٰ میں اس غرض سے دعا بھی سکھائی گئی ہے رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا۔(طٰہٰ: 115)

(62) قرآن مجید نے مخالفین کی تلخ زبانی اور طعن تشنیع پر جارحانہ ردّعمل کی بجائے یہ ارشاد فرمایا ہے فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور اس کے نعم البدل کے طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِہَا کہ سورج کے چڑھنے سے پہلے بھی خدا تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر اور اس کے ڈوبنے سے پہلے بھی وَمِنۡ اٰنَآیِٔ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّہَارِ لَعَلَّکَ تَرۡضٰی۔(طٰہٰ: 131)اور رات کے مختلف حصوں اور دن کے سب حصوں میں بھی اس کی تسبیح کرو تاکہ اس کے فضل کو حاصل کر کے تم خوش ہو جاؤ۔

(63) قرآن مجید نے اس ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ یہ مخالفین (جو تم سے تلخ زبانی کر رہے ہیں) دنیا کی زندگی میں طرح طرح کے سامانوں کے مالک ہیں یہ ان کو ثواب کے طور پر نہیں ملا بلکہ ہم اس کے ذریعہ ان کو آزمارہے ہیں اس لئے تعجب اور حیرت سے ان کے اس طرح طرح کے متاع کو نہ دیکھو فرماتا ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡہُمۡ زَہۡرَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کیونکہ جو سامان ان کو ملا ہوا ہے اس کے بہت بہتر وہ رزق ہے جو اللہ کی طرف سے تم کو مل رہا ہے فرمایا وَرِزۡقُ رَبِّکَ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی۔(طٰہٰ: 132)اور پھر مخالفین کو جو سامان ملا ہوا ہے وہ ایک دن ختم ہو جائے گا مگر جو رزق آپ کو دیا گیا ہے وہ اَبۡقٰی ہے یعنی دائمی رزق ہے۔

(64) قرآن شریف نے اس سے اگلی آیت میں اس رزق کو دائمی بنانے کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے وَاۡمُرۡ اَہۡلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَیۡہَا کہ تم اپنے خاندان کو نماز کا حکم دو اور لگاتار دیتے چلے جاؤ لَا نَسۡـَٔلُکَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُکَ ؕ یہ رزق جس کے دوام کا ذکر ہے ہم تم سے مانگ نہیں رہے بلکہ تمہیں دے رہے ہیں۔ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلتَّقۡوٰی۔(طٰہٰ: 133)اور انجام تقویٰ کا ہی بہتر ہوتا ہے۔

(65) قرآن شریف اس کش مکش کا ذکر کر کے جو مخالفین سے ہو رہی ہے فرماتا ہے قُلۡ کُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا کہ ساری دنیا منتظر ہے کہ اس کش مکش میں کس کی فتح ہوتی ہے سو تم ان سے کہو کہ تم بھی انتظار کرو فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَمَنِ اہۡتَدٰی۔(طٰہٰ: 136)جلدی ہی تمہیں پتہ لگ جائیگا سیدھے راستہ والے اور ہدایت یافتہ کون ہیں؟

(66)　قرآن شریف نے ساری انسانیت کو مخاطب کر کے فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اے سب لوگو وہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے تمہارا مالک ہے تمہیں پالنے والا ہے اس کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ۔(الحج: 2) کیونکہ اس گھڑی کا زلزلہ بڑا سخت ہو گا۔(اس میں ایک عظیم عالمگیر جنگ کی طرف اشارہ ہے۔)

(67)　قرآن شریف نے طیبات (پاک چیزیں) کھانے کا حکم دیا ہے اور فرمایا یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ اور اس کا تعلق عمل صالح سے قائم کیا ہے۔ چنانچہ اس حکم کے معاً بعد وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔(المؤمنون: 52) کا حکم دیا ہے گویا پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے ہی عمل صالح کی توفیق ملتی ہے۔

(68)　قرآن شریف مومنوں کو جو فضیلت اور وسعت مال رکھتے ہیں ارشاد فرماتا ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ یا زبان سے تکلیف بھی پہنچی ہو تو بھی اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو اگر وہ مالی امداد دیتے ہوں تو اس کو بند نہ کریں۔ یہ آیت جس میں یہ حکم ہے اس کو بالعموم حضرت ابو بکرؓ کے بارہ میں خیال کیا جاتا ہے جنہوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے والے کا خرچ بند کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بے شک یہ ارشاد حضرت ابو بکرؓ کے بارہ میں بھی ہے مگر آیت قرآنی میں وسعت ہے اور یہ ارشاد سب کے لئے ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَکُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔(النور: 23)

کہ تم سے دین و دنیا میں فضیلت رکھنے والے اور کشائش رکھنے والے لوگ قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کے رستہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کریں گے اور چاہیئے کہ وہ عفو سے کام لیں اور درگذر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(69)　قرآن شریف صرف جرم سے منع نہیں فرماتا بلکہ جرم کے مبادی سے جو جرم کی طرف مَنْجِر (مائل کرنے والا) ہوتے ہیں ان سے بھی منع فرماتا ہے چنانچہ غلط قسم کے تعلقات کو روکنے کے لئے کہ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔(النور: 28)

کہ اے مومنو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور ان گھروں میں رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہ تمہارے لئے اچھا ہو گا اور تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(70) قرآن شریف نے اس مقصد کے لئے مذکور بالا حکم کے بعد یہ فرمایا ہے کہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ کہ مومنوں کو کہو کہ اپنی آنکھیں کچھ نیچی رکھا کریں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ۔(النور: 31،32)

اور مومن کہ مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی آنکھیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو آپ ہی بے اختیار ظاہر ہوتی ہو اور اپنی اوڑھنیوں کو اس طرح سر پر لیں کہ وہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے۔

(71) قرآن شریف نے اس مقصد کے لئے اگلی آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ کہ تم اپنے میں سے بیواؤں کی شادیاں کرواؤ اور وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَآئِکُمْ ۔(النور: 33) اور جو مرد عورت جنگی قیدی ہو کر آئیں اور نیک چلن اور نیک بخت ہوں ان کی بھی شادی کراؤ۔ (صالحین کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے مسلمانوں پر بے جواز جارحانہ حملہ کیا تھا اس لئے مسلمان معاشرہ میں ان کی شادی احتیاط سے ہونی چاہیئے)

(72) قرآن شریف سورۃ النور میں اصلاح معاشرہ کے لئے ہدایات کا ذکر کرتے ہوئے نظام اور قضاء کے فیصلہ جات کی تعمیل کا ذکر فرمایا ہے کہ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔(النور: 52)

کہ مومنوں کا جواب جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں یہ ہوا کرتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا اور یہی لوگ کامیاب ہوا کرتے ہیں۔

(73) قرآن مجید نے معاشرہ کی اخلاقی اصلاح کی ہدایات کے سلسلہ میں ایک کلیدی ہدایت یہ دی ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ ۟ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ ۔(النور: 59) کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو وہ لوگ جو تمہارے دائیں ہاتھ کہ زیر نگین ہیں اور وہ جو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچے 3 اوقات میں جو پردے کے اوقات ہیں تمہارے پاس اجازت لے کر اندر آیا کریں۔ یہ آیت اور اس کے بعد کی آیات میں احکامات اخلاقی جرم سے پہلے ہی جرم کو روکنے کے

لئے مبادی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(74) قرآن شریف نے سورۃ النور میں جہاں اسلامی معاشرہ کے لئے نظام خلافت کا وعدہ فرمایا ہے وہاں معاشرہ کی اخلاقی اصلاح کے اور اخلاقی جرم کو روکنے کے لئے احکام دیئے ہیں وہاں ایسی تدابیر بھی بیان کی ہیں جو شروع میں ہی اخلاقی جرائم کی روک تھام کرنے والی ہوں اور معاشرہ اسلامی کی تمام تر اصلاح کے لئے سورۃ کے آخری حصہ میں ایک کلیدی ارشاد فرمایا ہے لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا۔(النور: 64) کہ اے مومنو یہ نہ سمجھو کہ رسول کا تم میں سے کسی کو بلانا ایسا ہی ہے جیسا تم سے بعض کا بعض کو بلانا۔

(75) قرآن شریف مومن شعراء کے بارہ میں فرماتا ہے کہ اگر وہ دشمن کے مقابلہ میں بدلہ لیتے ہیں تو مظلوم ہونے کے بعد ہی بدلہ لیتے ہیں۔ قرآن شریف کا یہ ارشاد ان لوگوں کے لئے قابل توجہ ہے جو ظالمانہ رنگ میں زبان و ہتھیار سے حملہ آور ہوتے ہیں۔

(76) قرآن شریف نے والدین کی خدمت اور ان سے حسن سلوک پر انتہائی زور دیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ اِنۡ جَاہَدٰکَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡہُمَا وَ صَاحِبۡہُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا۔(لقمٰن: 16) کہ اگر وہ دونوں تم سے یہ بحث کریں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک بناؤ تو ان کی اطاعت نہ کرو مگر دنیوی معاملات میں ان سے نیک تعلقات قائم رکھو۔

(77) قرآن شریف قیام نماز کو معروف باتوں کے حکم اور ناپسندیدہ امور سے ممانعت اور پھر اس وجہ سے جو مشکلات آئیں ان پر صبر کے ساتھ وابستہ فرماتا ہے۔ عبادت کے ظاہر پر عمل کرنے والے بعض دفعہ یہ وابستگی بھول جاتے ہیں۔ فرماتا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ انۡہَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ اصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَکَ۔(لقمٰن: 18)

(78) قرآن شریف جہاں بڑے زور کے ساتھ تکبر پر ملامت فرماتا ہے وہاں تکبر کی ظاہری شکل سے بھی منع فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا وَ لَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا۔(لقمٰن: 19) کہ اپنے گال لوگوں کے سامنے غصّہ سے نہ پھلاؤ اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔

(79) قرآن شریف کے احکام میں اعتدال کی طرف اس آیت میں خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے وَ اقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَ اغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ۔(لقمٰن: 20) کہ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو دھیمار کھا کرو۔

(80) قرآن شریف نے ساری انسانیت کو تقویٰ کا حکم دیا ہے اور تقویٰ کا ایک اہم پہلو اس آیت وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا۔(لقمٰن: 34) اور اس دن سے ڈرو جس دن نہ باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا، نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا۔

(81) قرآن شریف نے ماضی کی غلط اور نقصان دہ رسموں کو مٹانے کے لئے جو اقدامات بیان کئے ہیں ان میں ایک یہ ہے مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ... اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ۔(الاحزاب: 6،5) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پالکوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا... ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ فعل ہے۔ اگر تم کو معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو بہر حال وہ تمہارے دینی بھائی اور دینی دوست ہیں۔

(82) قرآن شریف نے مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنے پر خاص زور دیا ہے بالخصوص دشمنوں کے جارحانہ حملوں کو ناکام کرنے کے احسان کے بارہ میں فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔(الاحزاب: 10) کہ اے مومنو اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت کی جبکہ تم پر کچھ لشکر چڑھ آئے تھے تو ہم نے ان پر ایک اندھیری بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جو تمہاری نظر سے اوجھل تھے۔

(83) قرآن شریف مومنوں کو ذکر اللہ کی طرف بار بار توجہ دلاتے ہوئے اس ذکر کے بابرکت نتائج کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا اے مومنو اللہ کا ذکر بہت کیا کرو۔ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا اور صبح شام اس کی تسبیح کیا کرو کیونکہ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا۔(الاحزاب: 42تا45)

وہی ہے جو تم پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں تا کہ اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ وہ تم کو اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے اور وہ مومنوں پر بار بار رحم کرنے والا ہے، ان کو جب وہ اس کو ملیں گے دعا کا تحفہ سلامتی کی شکل میں ملے گا اور وہ ان کے لئے ایک بڑا اعزّت والا بدلہ تیار کرے گا۔

(84) قرآن مجید کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہوتا ہے اور طلاق کی صورت میں عدّت کا حکم بھی نسب کی حفاظت کی حکمت پر مبنی ہے لیکن بعض نادر صورتوں میں ازدواجی تعلقات سے پہلے ہی نکاح کے بعد طلاق ہو جاتی ہے اس صورت میں چونکہ

عدّت کی کوئی حقیقی حکمت نہیں اس لئے فرماتا ہے اِذَا نَکَحۡتُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ فَمَا لَکُمۡ عَلَیۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٍ تَعۡتَدُّوۡنَهَا کہ اگر تم ازدواجی تعلقات سے پہلے طلاق دو تو تمہیں عدّت کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مگر ساتھ ہی حکمت اعتدال سے بھرا ہوا یہ حکم بھی دیا فَمَتِّعُوۡهُنَّ وَ سَرِّحُوۡهُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا۔(الاحزاب: 50)پس چاہیئے کہ ان کو کچھ دنیوی ساز و سامان دو اور ان کو اچھے انداز سے رخصت کرو۔

(85) قرآن شریف نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام دینی اور روحانی برکات کا مومنوں کے لئے وسیلہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرایا ہے اس لئے مومنو کو حکم دیا ہے کہ اگر وہ ان برکات سے متمتع ہونا چاہتے ہیں تو اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡهِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا۔(الاحزاب: 57)کہ اللہ تعالیٰ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی رحمت نازل فرمارہا ہے اور اس کے فرشتے بھی ان کے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔

پس اے مومنو! تم بھی اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے رہو اور خوب جوش سے آپ(صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے سلامتی مانگتے رہو۔

(86) قرآن شریف نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی حکومت کے علاقہ کو پاک کرنے کے لئے جو اقدامات بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک اقدام اس آیت میں بیان ہے فرماتا ہے: لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡهَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ۔ مَّلۡعُوۡنِیۡنَ ۚ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا۔(الاحزاب: 61،62)

یعنی زناکاری اور زناکاری کی اشاعت کرنے والے جو مدینہ میں ہیں یہ لعنتی ہیں (یعنی ہمیشہ کے لئے خدا کی رحمت سے ردّ کئے گئے) اس لئے یہ اس لائق ہیں کہ جہاں ان کو پاؤ قتل کر دو۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زناکاروں کے لئے رجم کی سزا مدینہ کی حکومت کے لئے تھی۔)

(87) قرآن شریف نے چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ایک مشابہت بھی قرار دی ہے اور استثناء 18/18 میں اس کی طرف اشارہ ہے اس لئے قرآن شریف نے یہ ہدایت بھی فرمادی کہ حضرت موسیٰؑ کو جس طرح ایذا دی تھی وہ انداز دوبارہ نہ ہو اس لئے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا

قَالُوْا۔(الاحزاب: 70) کہ اے مومنو ان کی طرح نہ ہونا جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی تھی مگر ان کے الزامات سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو بری کر دیا۔

(88) قرآن مجید کی تعلیم بندہ کے اپنے ربّ سے زندہ تعلق اور قرب کے گرد گھومتی ہے مگر ساتھ ہی قرآن یہ بھی فرماتا ہے وَ مَآ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرّب بنا دیں اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ہاں جو ایمان لاتا ہے اور اس کے مناسب حال عمل کرتا ہے فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ۔(سبا: 38)اور ایسے ہی لوگوں کو ان کے اچھے اعمال کی وجہ سے بڑھ بڑھ کر بدلے ملیں گے اور وہ بالاخانوں میں امن سے زندگی بسر کریں گے۔

(89) قرآن شریف نے کسی مدّعی رسالت کی صداقت کو جانچنے کے لئے جو امور پیش کئے ہیں ان میں سے ایک کلیدی مضمون اس آیت میں بیان کیا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔(سبا: 47) کہ تم کہو میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم اللہ کے سامنے دو دو ہو کر اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو تو لازماً یہ نتیجہ نکلے گا کہ اس رسول کو کوئی جنون نہیں وہ صرف تمہیں آئندہ آنے والے سخت عذاب سے ہوشیار کرنے والا ہے۔

(90) قرآن شریف کا بنیادی مضمون توحید ہے اور شرک کے خلاف اس میں ان گنت دلائل و براہین ہیں۔ فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اے لوگو اللہ کی نعمت جو تم پر نازل ہوئی ہے اُس کو یاد کرو هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو آسمان و زمین سے تمہیں رزق دیتا ہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔(الفاطر: 4) پھر تم کہاں الٹے پھرائے جاتے ہو۔(یعنی جن کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو یا وہ پوری طرح انسان ہیں یا بے جان پتھروں وغیرہ سے تراشے گئے مجسمے ہیں اور یہ دو قسم کے وجود، کوئی طاقت آسمان وزمین سے رزق دینے کی نہیں رکھتے جبکہ انسانوں کو ان دونوں سمتوں سے رزق مل رہا ہے)

(91) قرآن شریف کی تعلیم جو لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔(الفاطر: 19) کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے وہ عدل وانصاف اور احساس ذمہ واری اور accountability کی اہمیت کو واضح کرتی ہے اور کفارہ کے غلط تصوّر کا قلع قمع کرتی ہے۔

(92) قرآن کریم نے ان فریب خوردہ لوگوں کے خیال کی نفی فرمائی ہے جو بالعموم اسلامی صداقتوں کے دلائل سے باہر محسوس کرتے ہوئے یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ سب مذاہب اور نظریات خدا کی طرف لے جاتے ہیں اور برابر بات ہے کہ ان میں سے کسی کو مان لیا جائے۔ فرماتا ہے وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ۔ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ۔ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ۔ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ۔(الفاطر: 20تا23)

کہ نابینا اور بینا برابر نہیں ہوسکتے نہ اندھیرے اور نہ روشنی اور نہ سایہ اور نہ دھوپ اور نہ زندے اور نہ مردے پھر متضاد تعلیمات رکھنے والے مذہب کیسے برابر ہوسکتے ہیں؟

(93) قرآن شریف نے بار بار صحیفہ فطرت کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی۔ جیسے فرماتا ہے وَمِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ۔(الفاطر: 29)

کہ انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ہر ایک کا رنگ دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ بڑا غالب اور بہت بخشنے والا ہے۔

(94) قرآن شریف نے ہستی باری تعالیٰ کے جو قرائن بیان فرمائے ہیں ان میں یہ قرینہ بھی ہے کہ اتنی بڑی کائنات کو اللہ تعالیٰ نے کنٹرول میں رکھا ہوا ہے۔ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا کہ اللہ نے ہی آسمانوں اور زمین کو اس بات سے روک رکھا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں وَ لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ۔(الفاطر: 42)

اور اگر وہ ٹل جائیں تو کوئی ان کو اس کے علاوہ روک نہیں سکے گا۔ یہ اشارہ ہے کہ کوئی بالا ہستی اس وسیع و عریض کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔

(95) قرآن شریف نے ان تہذیبوں کو جو ترقی یافتہ ہو جاتی ہیں اور ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کو کبھی زوال نہ آئے گا، ان کی اس غلط فہمی کو یہ کہہ کر دور فرمایا ہے: اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔(الفاطر: 45)

کہ کیا انہوں نے زمین میں سفر کر کے ان لوگوں کا انجام نہیں دیکھا جو ان سے پہلے تھے۔ قدیم زمانہ میں عاد کی تہذیب کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ ان کی ترقی دائمی ہے۔ یہی غلط فہمی سبا کی تہذیب کو بھی ہوئی۔ قرآن شریف نے سورۃ سبا میں اس مضمون کو بیان کیا ہے کہ دنیوی تہذیبیں تو الگ وہ تہذیب بھی جو مذہب کی بنیادوں پر اٹھی تھی وہ بھی رحبعام کے ذریعہ

جو دابّۃ الارض تھا زوال پذیر ہونی شروع ہو گئی۔

(96) قرآن شریف نے رسولوں کی صداقت ثابت کرنے کے لئے جو دلائل آئے ہیں ان میں ایک دلیل اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا۔(یسین: 22) ہے کہ رسول اپنے دعویٰ اعلان پر دکھ اٹھاتے ہیں، تمسخر کا نشانہ بنتے ہیں اذیت دیئے جاتے ہیں ماریں کھاتے اور زخمی ہوتے ہیں مگر نہایت سنجیدگی سے اپنا دعویٰ پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور ایک حبّہ بھی اپنی ذات کے لئے نہیں چاہتے، نہ مانگتے ہیں، کیا یہ رسول اس کردار کے ساتھ خدانخواستہ جھوٹے ہو سکتے ہیں؟ جھوٹ بولنے والے تو اپنے کسی آرام یا کوئی فائدہ اٹھانے کے لئے جھوٹ بولتے ہیں مگر خدا کے رسول تو سراسر دکھ اٹھاتے ہیں اور شجاعت کے ساتھ اپنا مؤقف پیش کرتے ہیں۔

(97) قرآن شریف کے عظیم کمالات میں سے ایک کمال یہ بھی ہے کہ سابقہ اقوام کے نبیوں اور رسولوں کی عظمت اور تقدس کا تذکرہ فرماتا ہے۔ قرآن شریف کے نزول کے بعد بنی اسرائیل نے جارحانہ رنگ میں قرآن شریف پر حملے کئے مگر قرآن شریف نے بنی اسرائیل کے انبیاء کے متعلق خود بائبل میں جو ناپاک باتیں کہی گئی تھیں ان کی تردید کی مثلاً حضرت ہارون، حضرت لوط، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام پر جو الزامات لگائے گئے تھے یا حواریوں کے متعلق جو قابل اعتراض باتیں کہی گئی تھیں ان کو ان اعتراضات اور الزامات سے پاک ٹھہرایا۔

(جاری ہے)

❁❁❁❁❁

تعارف کتاب "براہین احمدیہ حصہ چہارم"

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔"

("ملفوظات" حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 7 صفحہ 224 ایڈیشن 2022ء)

"اس احقر نے 1864ء تا 1865ء عیسوی میں یعنے اسی زمانے کے قریب کے جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصہ میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور اس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی کہ جو خود اس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تونے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کا نام میں نے قطبی رکھا ہے۔"

براہین احمدیہ حصّہ چہارم

(اے۔ ولیم)

تعارف:

براہین احمدیہ کا پہلا حصّہ جو کہ 82 صفحات پر مشتمل تھا 1880ء میں اور دوسرا حصّہ جو کہ 56 صفحات (ایڈیشن اوّل) پر مشتمل تھا وہ بھی 1880ء میں شائع ہوا اور اس کا تیسرا حصّہ 1882ء میں شائع ہوا جو کہ 150 صفحات پر مشتمل تھا۔ اور چوتھا حصّہ 1884ء میں شائع ہوا جو کہ 390 کے قریب صفحات پر مشتمل تھا۔

چوتھا حصّہ روحانی خزائن جلد اوّل کے صفحہ نمبر **313** سے **صفحہ نمبر 673** تک ہے۔ اس چوتھے حصے کا مختصر سا تعارف قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

(1) سب سے پہلے ''مسلمانوں کی نازک حالت اورانگریزی گورنمنٹ'' کے عنوان سے ایک اشتہار ہے جس میں اس وقت کے مسلمانوں اور خاص طور پر بعض علماء اور صاحب حیثیت مسلمانوں کی عدم دلچسپی اور حقیقی خدمت دین سے بے اعتنائی کا بیان ہے۔اور براہین احمدیہ حصہ سوم میں حکومت وقت یعنی انگریزی حکومت کاشکراداکرنے پر اعتراض کاجواب دیا گیاہے کہ یہ عین اسلامی تعلیم کے مطابق تھا۔

(2) پھراس اعتراض کاجواب دیا گیاہے کہ جب خدا تعالیٰ کاکلام اورانسانی کلام بھی ایک جیسے حروف سے مرکب ہے تو پھر انسان قرآن / کلام الٰہی کی مثل کیوں نہیں بناسکتا۔

(3) پھر آپؑ نے بتایا کہ بولیوں یعنی زبانوں کاموجد اور خالق خدائے خالق ہے۔(ر۔خ جلد1صفحہ 359،360)

(4) اسی تسلسل میں حضور علیہ السلام نے کائنات کی ابتداءاور ابتدائی زمانے کی آفرینش کے متعلق بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ کس طرح قدرت کے خاص کارخانہ کی صنعت تھی... جس کواس دور کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔

(5) الہام اورالقاء کی بعض شرائط کابیان ہے۔(ر۔خ جلد1صفحہ 430)

(6) سنسکرت کوپرمیشر کی بولی قراردینا اور باقی زبانوں کو انسانوں کی ایجاد قراردینے کے نظریہ کی تردید کابیان ہے۔(ر۔خ جلد1صفحہ 447)

(7) صفحہ 456 سے **تمہید چہارم** کا آغاز ہوتا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت دوقسم پر ظاہر ہے ایک جوعام فہم ہے جیسے انسان کی دوآنکھیں اور دوکان ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ دوسرے وہ ہیں جو سرسری نظر سے دریافت نہیں ہوسکتے۔بلکہ اس کے لئے خاص تدبرو تفکر کی ضرورت ہوتی ہے...

(8) ساتھ ہی اس اعتراض کاجواب بھی دیاہے کہ اس خدانے ایسا کیوں کیا؟ آسان فہم کیوں نہ کردیا۔اوراس کاجواب دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہئے کہ خدانے انسان کو دوسرے حیوانات کی طرح اس وضع فطرت پر پیدا نہیں کیا۔ کہ اس کا علم چند بدیہی اور محسوس باتوں میں محصور اور محدود رہے۔ بلکہ اس کو یہ استعداد بخشی ہے کہ وہ نظر اور فکر سے غیر متناہی علوم میں ترقیات کرتا رہے۔ اور اسی غرض سے اس کو عقل کا گوہر شب چراغ جو دوسرے حیوانات کو نہیں ملاعطاہوا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ تمام عجائب غرائب الٰہی بدیہی طور پر واضح اورلَا یح(روشن اور واضح) ہوتے جن میں نظر اور فکر کی کچھ بھی حاجت نہ

ہوتی تو پھر انسان جس کا کمال اس کی قوت نظریہ تکمیل پر موقوف ہے۔ کن چیزوں میں نظر اور فکر کرتا۔ اور اگر نظر اور فکر نہ کرتا تو پھر کیونکر اپنے کمال کو پہنچتا۔ سو چونکہ تمام انسانیت انسان کے استعمال قوت نظریہ سے وابستہ ہے۔ اس لئے اس حکیم مطلق نے اکثر دقائق اور حقائق کو ایسے طور پر مخفی رکھا ہے کہ جب تک انسان اپنی خدا داد قوت کو بکمال اجتہاد استعمال میں نہ لاوے ان دقائق کا انکشاف نہیں ہوتا۔ اس سے حکیم مطلق کا یہ ارادہ ہے کہ ترقی کرنے کا راستہ کھلا رہے۔ اور جس سعادت کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ اس سعادت تک وہ پہنچ جائے۔ غرض خدا کے جتنے کام ہیں۔ وہ صرف موٹی صنعت پر ختم نہیں ہوسکتے۔ بلکہ ان میں جس قدر کھودتے جاؤ۔ زیادہ سے زیادہ باریکیاں نکلتی ہیں۔

پس جبکہ ان تمام چیزوں کی نسبت جو خدا کی طرف سے ہیں۔ یہ عام قانون ثابت ہو چکا کہ وہ سب نکاتِ دقیقہ اور اسرارِ عمیقہ سے پُر ہیں۔ تو اسے قانون قدرت کی متابعت سے یہ بھی ہر یک عاقل کو ماننا پڑا کہ خدا کا کلام بھی نکات دقیقہ سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس میں سب سے زیادہ لطائف چاہئیں۔ کیونکہ وہ خدا کا کلام ہے۔ اور حکیم مطلق کے علوم قدیم کا مخزن ہے جس کو خدا نے اس بات کا آلہ بنایا ہے کہ تمام قوانین قدرتیہ جو فی السموات والارض پائے جاتے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لئے اس میں سامان موجود ہو۔ پس اگر وہ ناقص ہو تو اتنے بڑے کام اس سے کیونکر انصرام ہو سکیں۔ اگر وہ تمام غلطیوں سے انسان کو پاک نہ کرسکتا تو پھر صرف بعض غلطیوں سے پاک کرنا حقیقت میں ایسا تھا کہ گویا منزل تک پہنچانے سے پہلے راستہ میں ہی چھوڑ دیتا۔

غرض جب خدا کا قانون قدرت (ہر یک چیز میں جو اس کی طرف سے صادر ہے) یہی ثابت ہوا کہ ان سب میں خداوند تعالیٰ نے دقائق عمیقہ بھی ضرور رکھے ہیں۔ صرف موٹی باتوں پر ختم نہیں کیا۔ تو اس تحقیق سے جھوٹ ان لوگوں کا کھل گیا۔ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا کے کلام میں صرف چند احکام سریع الفہم چاہئیں۔ اور لطائف دقیقہ اس میں نہیں چاہئیں اور نہ ہیں۔" (ر۔خ جلد 1 صفحہ 464 تا 471)

(9) پھر صفحہ 511 سے **تمہید پنجم** کا آغاز ہوتا ہے کہ:

"جس معجزہ کو عقل شناخت کرکے اس کے منجانب اللہ ہونے پر گواہی دے وہ ان معجزات سے ہزارہا درجہ افضل ہوتا ہے کہ جو صرف بطور کتھا یا قصہ کے مد منقولات میں بیان کئے جاتے ہیں۔ اِس ترجیح کے دو باعث ہیں۔ ایک تو یہ کہ منقولی معجزات ہمارے لئے جو صدہا سال اس زمانہ سے پیچھے پیدا ہوئے ہیں جب معجزات دکھلائے گئے تھے مشہود اور محسوس کا حکم نہیں رکھتے اور اخبار منقولہ ہونے کے باعث سے وہ درجہ ان کو حاصل بھی نہیں ہو سکتا جو مشاہدات اور مرئیات کو حاصل ہوتا ہے دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے منقولی معجزات کو جو تصرفِ عقل سے بالاتر ہیں مشاہدہ کیا ہے ان کے لئے

بھی وہ تسلی تام کا موجب نہیں ٹھہر سکتی کیونکہ بہت سے ایسے عجائبات بھی ہیں کہ ارباب شعبدہ بازی ان کو دکھلاتے پھرتے ہیں گو وہ مکر اور فریب ہی ہیں مگر اب مخالف بد اندیش پر کیونکر ثابت کر کے دکھلاویں کہ انبیاء سے جو عجائبات اس قسم کے ظاہر ہوئے ہیں کہ کسی نے سانپ بنا کر دکھلا دیا اور کسی نے مردہ کو زندہ کر کے دکھلا دیا یہ اس قسم کی دست بازیوں سے منزہ ہیں جو شعبدہ باز لوگ کیا کرتے ہیں۔"(ر۔خ جلد1 صفحہ 511 تا 519)

اور پھر اس ضمن میں معجزہ اور شعبدہ بازی وغیرہ کے درمیان ایک فرق کی وضاحت فرمائی۔

(10) اس کے بعد صفحہ 558 سے **تمہید ششم** کا بیان ہے اور وہ یہ کہ:

"جس طرح مجوب الحقیقت معجزاتِ عقلی معجزات سے برابری نہیں کر سکتے۔ ایسا ہی پیشین گوئیاں اور اخبار ازمنہ گذشتہ جو نجومیوں اور رمّالوں اور کاہنوں اور موٴرخوں کے طریقۂ بیان سے مشابہ ہیں ان پیشین گوئیوں اور اخبار غیبیہ سے مساوی نہیں ہو سکتیں کہ جو محض اخبار نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ قُدرتِ الوہیّت بھی شامل ہے کیونکہ دنیا میں بجز انبیاء کے اور بھی ایسے لوگ بہت نظر آتے ہیں کہ ایسی ایسی خبریں پیش از وقوع بتلایا کرتے ہیں کہ زلزلے آویں گے وبا پڑے گی لڑائیاں ہوں گی قحط پڑے گا ایک قوم دوسری قوم پر چڑھائی کرے گی یہ ہو گا وہ ہو گا اور بارہا کوئی نہ کوئی ان کی خبر بھی سچی نکل آتی ہے پس ان شبہات کے مٹانے کے لئے وہ پیشین گوئیاں اور اخبار غیبیہ زبردست اور کامل متصوّر ہوں گے جن کے ساتھ ایسے نشان قُدرتِ الٰہیہ کے ہوں جن میں رمّالوں اور خواب بینوں اور نجومیوں وغیرہ کا شریک ہونا ممتنع اور محال ہو۔"(ر۔خ جلد1 صفحہ 558،559)

(11) پھر **تمہید ہفتم** یعنی نمبر 7 کا بیان شروع ہوتا ہے کہ:

"قرآن شریف میں جس قدر باریک صداقتیں علم دین کی اور علوم دقیقہ الٰہیّات کے اور براہینِ قاطعہ اُصولِ حقّہ کے معہ دیگر اسرار اور معارف کے مندرج ہیں اگرچہ وہ تمام فی حدّ ذاتہا ایسے ہیں کہ قویٰ بشریہ اُن کو بہ ہیئت مجموعی دریافت کرنے سے عاجز ہیں اور کسی عاقل کی عقل ان کے دریافت کرنے کے لئے بطور خود سبقت نہیں کر سکتی کیونکہ پہلے زمانوں پر نظر استقراری ڈالنے سے ثابت ہو گیا ہے کہ کوئی حکیم یا فیلسوف اُن علوم و معارف کا دریافت کرنے والا نہیں گزرا۔ لیکن اِس جگہ عجیب بر عجیب اَور بات ہے یعنے یہ کہ وہ علوم اور معارف ایک ایسے اُمّی کو عطا کی گئی کہ جو لکھنے پڑھنے سے ناآشنا محض تھا جس نے عمر بھر کسی مکتب کی شکل نہیں دیکھی تھی اور نہ کسی کتاب کا کوئی حرف پڑھا تھا اور نہ کسی اہل علم یا حکیم کی صحبت میسّر آئی تھی بلکہ تمام عمر جنگلیوں اور وحشیوں میں سکونت رہی اُنہیں میں پرورش پائی اور اُنہیں میں سے پیدا ہوئے اور انہیں کے ساتھ اختلاط رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی اور اَن پڑھ ہونا ایک ایسا بدیہی امر ہے کہ کوئی تاریخ دان

اسلام کا اُس سے بے خبر نہیں لیکن چونکہ یہ امر آئندہ فصلوں کے لئے بہت کارآمد ہے اس لئے ہم کسی قدر آیاتِ قرآنی لکھ کر اُمیّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرتے ہیں۔" (ر۔خ جلد 1 صفحہ 561 تا 563)

(12) اوراس ضمن میں آپؑ لیلۃ القدر کی عرفان انگیز تشریح کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں:

"اِسْتِیْلَا (غلبہ) ظلمت کا نور کے ظہور پر ایک دلیل ہے اور استیلا نور کا ظلمت کے آنے کا ایک سبیل ہے۔ ھر کمالٍ رَّا زَوَالے مثل مشہور ہے سو اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ظلمت اپنے کمال کو پہنچ گئی اور برّ وبحر ظلمت سے بھر گئے تو ہم نے مطابق اپنے قانون قدیم کے نور کے نشان کو ظاہر کیا تا دانشمند لوگ قادر مطلق کی قدرت نمایاں کو ملاحظہ کرکے اپنے یقین اور معرفت کو زیادہ کریں۔ اور پھر بعد اس کے فرمایا: اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ۔(القدر: 2) الخ۔ اِس سورۃ کا حقیقی مطلب جو ایک بھاری صداقت پر مشتمل ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اس قاعدۂ کُلّی کا بیان فرمانا ہے کہ دنیا میں کب اور کس وقت میں کوئی کتاب اور پیغمبر بھیجا جاتا ہے۔

سو وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دلوں پر ایک ایسی غلیظ ظلمت طاری ہوجاتی ہے کہ یکبارگی تمام دل روبدنیا ہوجاتے ہیں اور پھر روبدُنیا ہونے کی شامت سے ان کے تمام عقائد و اعمال و افعال و اخلاق و آداب اور نیّتوں اور ہمتوں میں اختلال کلّی راہ پاجاتا ہے اور محبتِ الٰہیہ دلوں سے بکُلّی اٹھ جاتی ہے اور یہ عام وبا ایسا پھیلتا ہے کہ تمام زمانہ پر رات کی طرح اندھیرا چھا جاتا ہے تو ایسے وقت میں یعنی جب وہ اندھیرا اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے رحمتِ الٰہیہ اس طرف متوجہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو اس اندھیری سے خلاصی بخشے اور جن طریقوں سے ان کی اصلاح قرین مصلحت ہے ان طریقوں کو اپنے کلام میں بیان فرماوے سو اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت ممدوحہ میں اشارہ فرمایا کہ ہم نے قرآن کو ایک ایسی رات میں نازل کیا ہے جس میں بندوں کی اصلاح اور بھلائی کے لئے صراط مستقیم کی کیفیت بیان کرنا اور شریعت اور دین کی حدود کو بتلانا ازبس ضروری تھا یعنی جب گمراہی کی تاریکی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ جیسی سخت اندھیری رات ہوتی ہے تو اس وقت رحمت الٰہی اس طرف متوجہ ہوئی کہ اس سخت اندھیری کے اٹھانے کے لئے ایسا قوی نور نازل کیا جائے کہ جو اس اندھیری کو دور کرسکے۔

سو خدا نے قرآن شریف کو نازل کرکے اپنے بندوں کو وہ عظیم الشان نور عطا کیا کہ جو شکوک اور شبہات کی اندھیری کو دور کرتا ہے اور روشنی کو پھیلاتا ہے۔ اس جگہ جاننا چاہئے کہ اس باطنی لیلۃ القدر کو ظاہری لیلۃ القدر سے کہ جو عندالعوام مشہور ہے کچھ منافات نہیں بلکہ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ ہریک کام مناسبت سے کرتا ہے اور حقیقت باطنی کے لئے جو ظاہری صورت مناسب ہو وہ اس کو عطا فرماتا ہے۔ سو چونکہ لیلۃ القدر کی حقیقت باطنی وہ کمال ضلالت کا وقت ہے جس میں عنایت الٰہیہ اصلاح عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے سو خدائے تعالیٰ نے بغرض تحقق مناسبت

اس زمانہ ضلالت کی آخری جز کو جس میں ضلالت اپنے نکتہ کمال تک پہنچ گئی تھی خارجی طور پر ایک رات میں مقرر کیا اور یہ رات وہ رات تھی جس میں خداوند تعالیٰ نے دنیا کو کمال ضلالت میں پا کر اپنے پاک کلام کو اپنے نبی پر اتارنا ارادہ فرمایا۔

سو اس جہت سے نہایت درجہ کی برکات اس رات میں پیدا ہو گئیں یا یوں کہو کہ قدیم سے اسی ارادۂ قدیم کے رُو سے پیدا تھی اور پھر اُس خاص رات میں وہ قبولیت اور برکت ہمیشہ کے لئے باقی رہی اور پھر بعد اس کے فرمایا کہ وہ ظلمت کا وقت کہ جو اندھیری رات سے مشابہ تھا جس کی تنویر کے لئے کلام الٰہی کا نور اترا اُس میں بباعث نزولِ قرآن کی ایک رات ہزار مہینہ سے بہتر بنائی گئی۔ اور اگر معقولی طور پر نظر کریں تب بھی ظاہر ہے کہ ضلالت کا زمانہ عبادت اور طاعت الٰہی کے لئے دوسرے زمانہ سے زیادہ تر موجب قربت و ثواب ہے۔

پس وہ دوسرے زمانوں سے زیادہ تر افضل ہے اور اس کی عبادتیں بباعث شدت و صعوبت اپنی قبولیت سے قریب ہیں اور اس زمانہ کے عابد رحمت الٰہی کے زیادہ تر مستحق ہیں کیونکہ سچے عابدوں اور ایمانداروں کا مرتبہ ایسے ہی وقت میں عند اللہ متحقّق ہوتا ہے کہ جب تمام زمانہ پر دنیا پرستی کی ظلمت طاری ہو اور سچ کی طرف نظر ڈالنے سے جان جانے کا اندیشہ ہو اور یہ بات خود ظاہر ہے کہ جب دل افسردہ اور مردہ ہو جائیں اور سب کسی کو جیفۂ دنیا ہی پیارا دکھائی دیتا ہو اور ہر طرف اس روحانی موت کی زہرناک ہوا چل رہی ہو اور محبت الٰہیہ یک لخت دلوں سے اٹھ گئی ہو اور رو بحق ہونے میں اور وفادار بندہ بننے میں کئی نوع کے ضرر متصوّر ہوں نہ کوئی اس راہ کا رفیق نظر آوے اور نہ کوئی اس طریق کا ہمدم ملے بلکہ اس راہ کی خواہش کرنے والے پر موت تک پہنچانے والی مصیبتیں دکھائی دیں اور لوگوں کی نظر میں ذلیل اور حقیر ٹھہرتا ہو تو ایسے وقت میں ثابت قدم ہو کر اپنے محبوب حقیقی کی طرف رخ کر لینا اور ناہموار عزیزوں اور دوستوں اور خویشوں اور اقارب کی رفاقت چھوڑ دینا اور غربت اور بےکسی اور تنہائی کی تکلیفوں کو اپنے سر پر قبول کر لینا اور دکھ پانے اور ذلیل ہونے اور مرنے کی کچھ پرواہ نہ کرنا حقیقت میں ایسا کام ہے کہ بجز اولوالعزم مرسلوں اور نبیوں اور صدیقوں کے جن پر فضل احدیت کی بارشیں ہوتی ہیں اور جو اپنے محبوب کی طرف بلا اختیار کھینچے جاتے ہیں اور کسی سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا اور حقیقت میں ایسے وقت کی ثابت قدمی اور صبر اور عبادت الٰہی کا ثواب بھی وہ ملتا ہے کہ جو کسی دوسرے وقت میں ہرگز نہیں مل سکتا۔

سو اسی جہت سے لیلۃ القدر کی ایسے ہی زمانہ میں بنا ڈالی گئی کہ جس میں بباعث سخت ضلالت کے نیکی پر قائم ہونا کسی بڑے جوانمرد کا کام تھا یہی زمانہ ہے جس میں جوانمردوں کی قدر و منزلت ظاہر ہوتی ہے اور نامردوں کی ذلت بہ پایۂ ثبوت پہنچتی ہے یہی پر ظلمت زمانہ ہے جو اندھیری رات کی طرح ایک خوفناک صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ سو اس طغیانی کی حالت میں کہ جو بڑے ابتلا کا وقت ہے وہی لوگ ہلاکت سے بچتے ہیں جن پر عنایات الٰہیہ کا ایک خاص سایہ ہوتا ہے۔

پس انہیں موجبات سے خدائے تعالیٰ نے اسی زمانہ کی ایک جز کو جس میں ضلالت کی تاریکی غایت درجہ تک پہنچ چکی تھی لیلۃ القدر مقرر کیا اور پھر بعد اس کے جن سماوی برکات سے اس ضلالت کا تدارک کیا جاتا ہے اس کی کیفیت ظاہر فرمائی اور بیان فرمایا کہ اس ارحم الراحمین کی یوں عادت ہے کہ جب ظلمت اپنے کمال تک پہنچ جاتی ہے اور خط تاریکی کا اپنے انتہائی نقطہ پر جا ٹھہرتا ہے یعنی اس غایت درجہ پر جس کا نام باطنی طور پر لیلۃ القدر ہے۔ تب خداوند تعالیٰ رات کے وقت میں کہ جس کی ظلمت باطنی ظلمت سے مشابہ ہے عالم ظلمانی کی طرف توجہ فرماتا ہے اور اس کے اذن خاص سے ملائکہ اور روح القدس زمین پر اترتے ہیں اور خلق اللہ کی اصلاح کے لئے خدا تعالیٰ کا نبی ظہور فرماتا ہے تب وہ نبی آسمانی نور پاکر خلق اللہ کو ظلمت سے باہر نکالتا ہے اور جب تک وہ نور اپنے کمال تک نہ پہنچ جائے تب تک ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے اور اسی قانون کے مطابق وہ اولیاء بھی پیدا ہوتے ہیں کہ جو ارشاد اور ہدایت خلق کے لئے بھیجے جاتے ہیں کیونکہ وہ انبیا کے وارث ہیں سو ان کے نقش قدم پر چلائے جاتے ہیں۔" (ر۔خ جلد 1 صفحہ 636 تا 644)

(13) اسی تسلسل میں قرآن کریم کی ضرورت و حکمت کا مضمون بیان ہوا ہے۔ اور یہ تمام تر مضامین براہین احمدیہ حصہ چہارم کے متن میں مذکور ہیں۔ اب اسی حصہ کے حواشی میں کیا کیا مضامین ہیں ان کا مختصر ساذکر آپ کی خدمت میں بیان کیا جاتا ہے۔

(14) سب سے پہلے تو یہ کہ حاشیہ نمبر 11 جاری ہے۔ جس میں الہام کی اہمیت وافادیت اور ضرورت کا مضمون بیان ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں برہمو سماج کے اس خیال کی تردید فرمائی ہے کہ: "الہام ایک قید ہے اور ہم ہر یک قید سے آزاد ہیں یعنے ہم اچھے ہیں کیونکہ آزاد قیدی سے اچھا ہوتا ہے۔" (ر۔خ جلد 1 صفحہ 330 حاشیہ)

(15) حضورؑ فرماتے ہیں کہ عقل بے کار چیز نہیں ہے، اس کی بھی اہمیت ہے لیکن محض اکیلی عقل کسی یقین تک نہیں پہنچا سکتی۔ اور یہ کہ:

"عقل کو کبھی یہ لیاقت حاصل نہیں ہوئی کہ بغیر اشتمال کسی دوسرے رفیق کے بذات خود کسی کام کو بوجہ احسن واکمل انجام دے سکے سچ کہو کیا ابھی تک تمہیں اس بات کا امتحان نہیں ہوا کہ جو کام صرف عقل پر پڑا وہی مشتبہ اور مظنون اور ناتمام رہا اور جب تک واقعات کا نقشہ بذریعہ کسی واقعہ دان کے طیار ہو کر نہ آیا تب تک تمام کام عقل اور قیاس کا ادھورا اور خام رہا تم انصاف سے کہو کیا تمہیں آج تک اس بات کی خبر نہیں کہ ہمیشہ سے عقلمند لوگوں کا یہی شعار ہے کہ وہ اپنی قیاسی وجوہ کو کبھی تجربہ سے تقویت دے لیتے ہیں اور کبھی تواریخ سے اور کبھی نقشہ جات موقعہ نما سے اور کبھی خطوط اور مراسلات سے اور کبھی اپنی ہی قوت باصرہ اور سامعہ اور شامہ اور لامسہ وغیرہ کی گواہی سے۔

پس اب تو تم آپ ہی سوچو اور اپنے دلوں میں آپ ہی خیال کرو اور اپنی نگاہوں میں آپ ہی جانچ لو کہ جس حالت میں دنیوی امور کے لئے کہ جو مشہود اور محسوس ہیں دوسرے رفیقوں کی حاجت پڑے تو پھر ان امور کے لئے کہ جو اس عالم سے وراء الوراء اور غیب الغیب اور اخفی من الاخفی ہیں کس قدر زیادہ حاجت ہے اور جس حالت میں مجرد عقل دنیا کے سہل اور آسان امور کے لئے بھی کافی نہیں تو پھر امور معاد کے دریافت کرنے میں کہ جو ادق اور الطف ہیں کیونکر کافی ہو سکتی ہے اور جبکہ تم معاشرت کے ناپائیدار اور ناچیز کاموں میں جن کا نفع نقصان ایک گزر جانے والی چیز ہے مجرد قیاس اور عقل کو قابل اطمینان نہیں سمجھتے تو پھر آپ لوگ امور معاد میں جن کے آثار دائمی اور جن کے خطرات لاعلاج ہیں فقط اسی عقل ناقص پر کیونکر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے ہیں۔

کیا یہ اس بات کا عمدہ ثبوت نہیں کہ آپ لوگوں نے آخرت کے فکر کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور جیفۂ دنیا بڑا الذیذ اور مزہ دار معلوم ہو رہا ہے ورنہ کیونکر باور کیا جائے کہ خدا نے اتنی بھی تمہیں سمجھ نہیں دی کہ جس حالت میں اس کریم مطلق نے دنیا کے ناپائیدار امور میں عقل انسانی کو تن تنہا نہیں چھوڑا بلکہ کئی رفیقوں سے تقویت بخشی ہے تو دارِ آخرت کے نازک اور دقیق مہمّات میں جو باقی اور دائم ہیں اس کی رحمت عظیمہ کا ازلی اور ابدی خاصہ کیوں مفقود ہو گیا کہ اس جگہ عقل غریب اور سرگردان کو رفیق کامل کے اشتمال سے تقویت نہ بخشی اور ایسا مصاحب اس کو عنایت نہ کیا کہ جو اس ملک کے کلی اور جزئی امور سے ذاتی واقفیت رکھتا اور رویت کے گواہ کی طرح خبر دے سکتا تا قیاس اور تجربہ دونوں مل کر انواع اقسام کی برکتوں کا چشمہ ٹھہرتے اور طالب حق کو اس مرتبہ کمال معرفت تک پہونچا سکتے جس کے حصول کا جوش اس کی فطرت میں ڈالا گیا ہے نہ معلوم آپ لوگوں کو کس نے بہکا دیا کہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ گویا عقل اور الہام میں کسی قدر باہم تناقص ہے جس کے باعث وہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

خدا تمہاری آنکھیں کھولے اور تمہارے دلوں کے پردے اٹھا دے کیا تم اس آسان بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ جس حالت میں الہام کی طفیل سے عقل اپنے کمال کو پہونچتی ہے اپنی غلطیوں پر متنبہ ہوتی ہے اپنی راہ مقصود کی سمت خاص کو دریافت کر لیتی ہے آوارہ گردی اور سرگردانی سے چھوٹ جاتی ہے اور ناحق کی محنتوں اور بے ہودہ مشقتوں اور بے فائدہ جان کنی سے رہائی پاتی ہے اور اپنے مشتبہ اور مظنون علم کو یقینی اور قطعی کر لیتی ہے اور مجرد اٹکلوں سے آگے بڑھ کر واقعی وجود پر مطلع ہو جاتی ہے تسلی پکڑتی ہے آرام اور اطمینان پاتی ہے تو پھر اس صورت میں الہام اس کا محسن و مددگار اور مربی ہوا یا اس کا دشمن اور مخالف اور ضرر رسان ہوا۔‘‘ (ر۔خ جلد 1 صفحہ 343، 344 حاشیہ)

(16) پھر آپؑ نے محض عقل کی پیروی کرنے والوں اور اس کے بالمقابل الہام کی پیروی کرنے والے بابرکت وجودوں کا ایک بہت ہی ایمان افروز موزانہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

”اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ اکیلی عقل کو ماننے والے جیسے علم اور معرفت اور یقین میں ناقص ہیں ویسا ہی عمل اور وفاداری اور صدق قدم میں بھی ناقص اور قاصر ہیں اور ان کی جماعت نے کوئی ایسا نمونہ قائم نہیں کیا جس سے یہ ثبوت مل سکے کہ وہ بھی ان کروڑہا مقدس لوگوں کی طرح خدا کے وفادار اور مقبول بندے ہیں کہ جن کی برکتیں ایسی دنیا میں ظاہر ہوئیں کہ ان کے وعظ اور نصیحت اور دعا اور توجہ اور تاثیر صحبت سے صدہا لوگ پاک روش اور باخدا ہو کر ایسے اپنے مولیٰ کی طرف جھک گئے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ پرواہ نہ رکھ کر اور اس جہان کی لذّتوں اور راحتوں اور خوشیوں اور شہرتوں اور فخروں اور مالوں اور ملکوں سے بالکل قطع نظر کر کے اس سچائی کے راستہ پر قدم مارا جس پر قدم مارنے سے ان میں سے سینکڑوں کی جانیں تلف ہوئیں ہزارہا سر کاٹے گئے لاکھوں مقدسوں کے خون سے زمین تر ہوگئی پر باوجود ان سب آفتوں کے انہوں نے ایسا صدق دکھایا کہ عاشق دلدادہ کی طرح پابزنجیر ہو کر ہنستے رہے اور دکھ اٹھا کر خوش ہوتے رہے اور بلاؤں میں پڑ کر شکر کرتے رہے اور اسی ایک کی محبت میں وطنوں سے بے وطن ہوگئے اور عزت سے ذلت اختیار کی اور آرام سے مصیبت کو سر پر لے لیا اور تونگری سے مفلسی قبول کرلی ور ہر یک پیوند و رابطہ اور خویشی سے غریبی اور تنہائی اور بے کسی پر قناعت کی اور اپنے خون کے بہانے سے اور اپنے سروں کے کٹانے سے اور اپنی جانوں کے دینے سے خدا کی ہستی پر مہریں لگا دیں۔

اور کلام الٰہی کی سچی متابعت کی برکت سے وہ انوار خاصہ ان میں پیدا ہوگئے کہ جو ان کے غیر میں کبھی نہیں پائے گئے اور ایسے لوگ نہ صرف پہلے زمانوں میں موجود تھے بلکہ یہ برگزیدہ جماعت ہمیشہ اہل اسلام میں پیدا ہوتی رہتی ہے اور ہمیشہ اپنے نورانی وجود سے اپنے مخالفین کو ملزم ولاجواب کرتی آئی ہے لہٰذا منکرین پر ہماری یہ حجت بھی تمام ہے کہ قرآن شریف جیسے مراتب علمیہ میں اعلیٰ درجہ کمال تک پہونچاتا ہے ویسا ہی مراتب عملیہ کے کمالات بھی اسی کے ذریعہ سے ملتے ہیں اور آثار وانوار قبولیت حضرت احدیت انہیں لوگوں میں ظاہر ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ظاہر ہوتے ہیں جنہوں نے اس پاک کلام کی متابعت اختیار کی ہے دوسروں میں ہرگز ظاہر نہیں ہوتے۔

پس طالب حق کے لئے یہی دلیل جس کو وہ بچشم خود معائنہ کر سکتا ہے کافی ہے یعنی یہ کہ آسمانی برکتیں اور ربّانی نشان صرف قرآن شریف کے کامل تابعین میں پائے جاتے ہیں اور دوسرے تمام فرقے کہ جو حقیقی اور پاک الہام سے روگرداں ہیں کیا برہمو اور کیا آریا اور کیا عیسائی وہ اس نور صداقت سے بے نصیب اور بے بہرہ ہیں چنانچہ ہر یک منکر کی تسلی

کرنے کے لئے ہم ہی ذمہ اٹھاتے ہیں بشرطیکہ وہ سچے دل سے اسلام قبول کرنے پر مستعد ہو کر پوری پوری ارادت اور استقامت اور صبر اور صداقت سے طلب حق کے لئے اس طرف تکلیف کش ہو اگر اب بھی کوئی انکار سے باز نہ آوے تو یہ انکار اس کا اس بات پر صاف دلیل ہے کہ وہ دنیا کی محبت سے سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتا اور تمام گفتگو اس کی عناد اور بغض کی راہ سے ہے نہ حق جوئی کی راہ سے۔

اب اے حضرات برہمو!! ذرا آنکھ کھول کر دیکھ لو کہ ہماری اس تحقیق سے بانکشاف تمام ثابت ہو گیا کہ الہام نہ غیر ممکن ہے اور نہ غیر موجود بلکہ ایک بدیہی الثبوت صداقت ہے کہ جو عند العقل واجب اور ضروری اور عند التفتیش متحقق الوجود ہے جس کا موجود ہونا ہم نے ثابت کر دکھایا ہے۔" (ر۔خ جلد 1 صفحہ 350 تا 353 حاشیہ)

(17) کلام الٰہی کے منجانب اللہ ہونے کے دلائل اور ثبوت کا بیان ہے اور اس ضمن میں ایک پنڈت صاحب کے کچھ سوالات کا بھی جواب دیا گیا ہے۔ اور یہ بیان کیا ہے کہ کلام کا وہ کون سا مرتبہ ہے جس مرتبہ پر کوئی کلام واقعہ ہونے سے اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔ کہ اس کو بے نظیر اور منجانب اللہ کہا جائے۔ (ر۔خ جلد 1 صفحہ 394)

(18) اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں سے ایک یعنی گلاب کے پھول کو کلام الٰہی یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ ایک لطیف مناسبت کا ذکر بطور مثال کے بیان فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل ہے۔ (ر۔خ جلد 1 صفحہ 395)

(19) صفحہ 414 سے سورۃ فاتحہ کی بے نظیر اور لطیف تفسیر کا بیان شروع ہوتا ہے۔

(20) صفحہ 567 سے سورۃ فاتحہ کے لطائف خمسہ یعنی پانچ لطیف امور کا بیان شروع ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ قرآن مجید کے مقاصد عشرہ یعنی دس بنیادی مقاصد کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو صفحہ 635 تک جاری رہتا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ کے معارف اور برکات وخواص کا ذکر کرتے ہوئے دوسرے مذاہب کو چیلنج دیا کہ یہ امور اپنی مقدس الہامی کتب سے نکال کر دکھائیں۔ (ر۔خ جلد 1 صفحہ 660)

(21) ضمناً حضور علیہ السلام نے آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی صاحب کی وفات کی پیشگوئی کا بھی ذکر فرمایا کہ ان کی وفات سے تین ماہ قبل آپؑ نے ان کے بارہ میں بتا دیا تھا۔ (ر۔خ جلد 1 صفحہ 640)

(22) آپؑ نے سورۃ فاتحہ کے خواص روحانی کی بابت یہ بھی فرمایا کہ یہ کوئی سنی سنائی باتیں نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں غیب کی خبریں اور کشوف وغیرہ کے ذاتی تجارب بھی ہوئے۔ اور یہ سب مکالمات و مخاطبات آنحضرت ﷺ کی پیروی اور محبت کے کمالات کا فیضان ہے۔ (ر۔خ جلد 1 صفحہ 644)

(23) حاشیہ نمبر 11 کے علاوہ کچھ دیگر حواشی کے مضامین کا بھی خلاصہ پیش خدمت ہے۔ جس میں حاشیہ نمبر 2 ہے جو کہ براہین احمدیہ حصہ سوم سے ہی چلا آرہے۔ اس حصہ کے آخر پر ہندوستان سے شائع ہونے والے ایک عیسائی اخبار نورافشاں میں ایک پادری صاحب نے یہ لکھا تھا کہ قرآن کریم کے مضامین تو دوسری کتب سے گویا چرا کر لکھے گئے ہیں۔ تو حضورؑ نے فرمایا کہ یہ تو بہت ہی آسان سی بات ہے براہین احمدیہ لکھنے کا ایک مقصد ہی یہ ہے کہ اگر ویسے ہی معارف جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں تمہاری کسی مذہبی کتاب میں ہیں تو بیان کریں اور دس ہزار روپے کا انعام بھی لیں۔ تو آیئے اور ثابت کریں۔ (ر۔خ جلد 1 صفحہ 339)

(24) اسی طرح ایک عیسائی نے سوال کیا تھا کہ وہ کون سے علامات ہیں جن سے سچے اور جھوٹے نجات دہندہ میں تمیز کی جاسکے اس کا جواب حاشیہ نمبر 2 صفحہ 340 سے شروع ہوتا ہے۔

(25) حاشیہ نمبر 3 جو کہ صفحہ 393 سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں حضورؑ بیان فرماتے ہیں کہ خدائے بے مثل و مانند اور کامل کے کلام میں کن کن نشانیوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور عیسائیوں کو بطور خاص مخاطب کیا ہے کہ ان کی انجیل بوجہ محرف و مبدل ہو جانے کے ان نشانیوں سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب ہے۔ اس ضمن میں انجیل کی تعلیم کی کمزوری کا بھی بیان کیا ہے۔ اور اسلام کی پیش کردہ تعلیم کی افضلیت کا بیان ہے۔

(26) پھر اس کا جواب ہے کہ فیضی کی تصنیف موارد الکلم جو کے بے نقط ہے وہ قرآن مجید کی نسبت کہیں زیادہ فصیح بلیغ قرار دی جاسکتی ہے۔ اس لئے قرآن کی کیا فضیلت ہوئی۔ آپؑ نے فرمایا کہ اس طرح کی تصنیف کو فصاحت و بلاغت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک بے ہودہ اور فضول انداز ہے۔ ہاں قرآن کریم اس طور سے بے نقط ہے کہ وہ لغو اور جھوٹ اور بے ہودہ گوئیوں کے نقطوں سے منزہ ہے۔ (ر۔خ جلد 1 صفحہ 447 حاشیہ)

(27) پھر آپؑ نے بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ الٰہی تائیدات اب بھی تازہ بتازہ خدا کے پاک بندوں کو حاصل ہوتی ہیں لیکن اب یہ نعمت صرف اور صرف اسلام میں موجود ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور حضورؑ بیان فرماتے ہیں کہ ان تائیدات الٰہی کا حضور خود مشاہدہ کر رہے ہیں اور وہ اس کا کچھ ذکر اس کتاب میں بھی کریں گے تا کہ مومنوں کی قوت ایمانی بڑھے۔ اور یا یہ یقین ہو کہ صراط مستقیم فقط دین اسلام ہے اور آسمان کے نیچے فقط ایک ہی نبی اور ایک ہی کتاب ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلیٰ و افضل سب نبیوں سے اور اتم و اکمل سب

رسولوں سے اور خاتم الانبیاء اور خیر الناس ہیں۔ جن کی پیروی سے خدائے تعالیٰ ملتا ہے اور ظلماتی پردے اٹھتے ہیں اور اسی جہان میں سچی نجات کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور قرآن شریف جو سچی اور کامل ہدایتوں اور تاثیروں پر مشتمل ہے ... صفحہ 557 حاشیہ نمبر 3، اور پھر بطور نمونہ کچھ کشوف والہامات کا ذکر فرمایا ہے۔

(28) ضمناً آپؑ نے اس وقت کے بعض ان علماء کے اس نظریہ کی بھی تردید فرمائی ہے جو سمجھتے تھے کہ وہ الہام جو رسولوں کی وحی سے مشابہ ہو وہ اب نہیں ہو سکتا۔ اس کا تفصیلی جواب حاشیہ نمبر 4 کے طور پر دیا گیا ہے جو صفحہ 651 سے شروع ہوتا ہے۔ اوراس ضمن میں حضورؑ نے اپنے کچھ مزید الہامات بیان فرمائے ہیں اور یہ بیان صفحہ 671 تک جاری رہتا ہے۔

(29) براہین احمدیہ کا آخری صفحہ اس عنوان سے ہے۔ ''ہم اور ہماری کتاب'' اوراس میں حضورؑ نے بڑی وضاحت سے یہ بیان فرمایا ہے کہ براہین احمدیہ کی تصنیف کا جو پلان اور منصوبہ شروع میں بنایا گیا تھا اب ضروری نہیں کہ اس کے مطابق عمل ہو۔ کیونکہ اب وہ سب کچھ یکسر تبدیل ہو چکا اور گویا یہ سب کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ چنانچہ حضورؑ لکھتے ہیں:

> ''ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اُس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی پھر بعد اُس کے قدرت الٰہیہ کی ناگہانی تجلی نے اس احقر عباد کو موسیٰ کی طرح ایک ایسے عالم سے خبر دی جس سے پہلے خبر نہ تھی یعنی یہ عاجز بھی حضرت ابن عمران کی طرح اپنے خیالات کی شب تاریک میں سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردہ غیب سے اِنِّیۤ اَنَا رَبُّکَ کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی سو اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت ربّ العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدار تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس نے جلد چہارم تک انوار حقیت اسلام کے ظاہر کئے ہیں یہ بھی اتمام حجت کے لئے کافی ہیں۔'' (ر۔خ جلد 1 صفحہ 673)

❁❁❁❁❁

کیاحضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کو کشمیر میں حضرت مسیح ناصریؑ کی قبر کا علم الہاماً دیا گیا تھا؟

کیاحضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کو کشمیر میں حضرت مسیح ناصریؑ کی قبر کا علم الہاماً دیا گیا تھا؟ زیر نظر مضمون میں حضرت مسیح موعودؑ کے علم کلام کی روشنی میں اختصار کے ساتھ اس سوال کا جواب دیا گیاہے۔(اے۔ آر۔ سدھو)

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو اواخر 1889ء میں الہاماً بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں عیسائی اور مسلمان دونوں آسمان پر خیال کر رہے ہیں اور آخری زمانہ میں ان کی دوسری آمد کے منتظر ہیں، وہ دراصل وفات پا چکے ہیں اور ان کے آسمان پر جانے اور آج تک زندہ چلے آنے کا خیال بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے اور یہ کہ ان کی دوسری آمد کا وعدہ ایک مثیل کے ذریعہ پورا ہونا تھا اور آپ کو بتایا گیا کہ یہ مثیلِ مسیحؑ خود آپ ہیں۔ چنانچہ جو الہامات اس بارے میں آپؑ کو ہوئے ان میں سے ایک الہام یہ تھا کہ:

”اس نے مجھے بھیجا اور میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابنِ مریم فوت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کا الہام یہ ہے کہ **مسیح ابن مریمؑ رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔**“

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 402)

جب آپ کو الہاماً یہ خبر مل گئی کہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر زندہ ہونے والا عقیدہ غلط ہے اور وہ دیگر انبیاء کی طرح فوت ہو چکے ہیں تو پھر آپ نے اس کی تائید میں قرآن، حدیث اور دیگر اسلامی لٹریچر سے اس بات کے ثبوت عوام کے لیے بہم پہنچائے۔ جن کا تفصیلی ذکر ازالہ اوہام میں موجود ہے۔

اس کے بعد آپ کو خیال پیدا ہوا کہ حضرت مسیحؑ کی قبر تلاش کرنی چاہیے تاکہ مسلمانوں اور عیسائیوں پر مسیح کی وفات کے حوالہ سے حجت تمام ہو جائے۔ چنانچہ اس بارہ میں آپؑ کو 1894ء کے قریب یروشلم میں حضرت مسیحؑ کی قبر کے بارہ میں علم ہوا تو آپ نے اس بارہ میں مزید معلومات کے لیے طرابلس (لبنان) کے رہنے والے اپنے ایک مرید سید مولوی محمد السعیدیؓ طرابلسی الشامی صاحب کو معلومات حاصل کر کے بھجوانے کے حوالہ سے خط لکھا۔ جب اس خط کا جواب آیا تو اسے آپؑ نے اپنی کتاب "اتمام الحجہ" (1894) میں تحریر فرمایا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ یروشلم (فلسطین) میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر موجود ہے اور اس پر ایک گرجا (Church) بھی بنا ہوا ہے۔ اور مسیحیوں کی زیارت کے مقامات میں سے یہ ایک اہم مقام ہے۔ (اس وقت فلسطین کا علاقہ سلطنتِ عثمانیہ کے تحت تھا اور سلطنتِ عثمانیہ کے صوبہ شام کا حصہ تصور ہوتا تھا)

(تفصیل کے لیے دیکھیں اتمام الحجہ۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 297 تا 300 حاشیہ)

یہ قبر جس کا ذکر مولوی محمد السعیدیؓ طرابلسی صاحب نے اپنے خط میں کیا تھا یہ قبر آج بھی یروشلم میں موجود ہے اور اس پر ایک گرجا بھی بنا ہوا ہے۔ جس کا نام Church of the Holy Sepulcher ہے یعنی مقدس قبر کا گرجا۔

Church of the Holy Sepulcher کے دو ہلکے نیلے رنگ کے گنبد جو دور سے دیکھنے والوں کی توجہ اپنی جانب کھینچتے ہیں۔

مسیحی روایات کے مطابق یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اتارنے کے بعد دفن کیا گیا تھا۔ جس جگہ سے مسیحی عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح تیسرے دن زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے اور ہمارے عقیدہ کے مطابق ہوش میں آکر اور زخموں کی مرہم پٹی ہو کر باہر آکر پوشیدہ طور پر مشرق کی طرف ہجرت کر گئے۔

بہر حال مسیحی روایات کی رو سے یہ قبر تو مسیحؑ کی ہی ہے لیکن اس میں وہ اب دفن نہیں ہیں۔ اسی دوران حضرت مسیحِ موعودؑ کو کشمیر میں یوز آسف کی قبر کے بارہ میں شواہد ملے کہ یہ حضرت مسیح ناصری کی قبر ہے۔ اس پر آپ نے مزید تحقیقات کروانا شروع کی۔ جب آپ کو اس کے ٹھوس شواہد میسر آگئے تو آپ نے اس کا اعلان اگلے ہی سال یعنی 1895 میں اپنی تصنیف ست بچن میں فرمایا کہ مسیح کی اصل قبر کشمیر میں ہے اور اس سے قبل یروشلم (بلادِ شام) میں بیان شدہ قبر کی وضاحت بھی فرمادی کہ وہ درست نہیں چنانچہ آپؑ ست بچن (1895ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی بلاد شام میں قبر ہے **مگر اب صحیح تحقیق ہمیں** اس بات کے لکھنے کیلئے مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے اور ملکِ شام کی قبر زندہ در گور کا نمونہ تھا، جس سے وہ نکل آئے۔''

(ست بچن۔ روحانی خزائن جلد10 صفحہ 307 حاشیہ در حاشیہ)

ست بچن 1895 کی کتاب ہے اس میں پہلی بار حضرت مسیحِ موعودؑ نے کشمیر والی قبر کا ذکر فرمایا ہے اور خاص بات یہ کہ اس جگہ حضور نے کسی الہام کا حوالہ نہیں دیا بلکہ یہی لکھا ہے کہ **صحیح تحقیق** ہمیں اس بات کے لکھنے پر مجبور کر رہی ہے کہ اصل قبر کشمیر میں ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے کہ آپؑ کو کشمیر میں قبرِ مسیح کا علم کیسے ہوا، آپؑ کے ایک صحابی حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی کتاب ''تحقیقِ جدید متعلق قبرِ مسیح'' سے ایک حوالہ پیش ہے:

''**کشمیر میں قبرِ مسیح کا سوال کیسے پیدا ہوا؟**'' اس عنوان سے حضرت مفتی صاحبؓ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''بعض دوست سوال کرتے ہیں کہ آیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وحی کے ذریعے اللہ کی طرف سے خبر دی گئی تھی کہ حضرت مسیح کی قبر کشمیر میں ہے **اس کے متعلق کوئی وحی یا الہام تو مجھے نہیں ملا**۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ابتداء اس کی یوں ہوئی کہ ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجلس میں بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ میں آیت کریمہ وَّاٰوَيۡنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبۡوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيۡنٍ۔(المؤمنون: 51) پر غور کر رہا تھا اور اس پر غور کرتے ہوئے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ مقام ایسا ہے جیسے کشمیر۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا کہ میں نے دورانِ قیام کشمیر میں سنا تھا کہ یہاں ایک قبر

ہے جسے عیسیٰ کی قبر کہتے ہیں۔ اور یہ بات مجھے خلیفہ نورالدین صاحب (مراد خلیفہ نورالدین جمونیؓ جو حضرت خلیفہ اوّلؓ کے شاگرد تھے۔ ناقل) نے بتائی تھی۔ جو اپنی ڈیوٹی کے سلسلہ میں سارے شہر کا گشت کیا کرتے تھے۔ اور کہ بعض لوگ اسے نبی کا روضہ اور بعض شہزادہ نبی کا روضہ کہتے ہیں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے خلیفہ نورالدین صاحب کو جموں سے بلایا اور آپ کو حکم دیا کہ سری نگر جا کر اس کے متعلق مکمل تحقیقات کریں۔ چنانچہ خلیفہ صاحب وہاں گئے اور چھ ماہ وہاں رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے وہاں کے بڑے بڑے علماء سے دستخط کرالئے کہ یہاں یہ قبر عیسی کی قبر مشہور ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس کی تائید میں بعض قلمی کتابوں سے بھی شہادتیں پیش کیں۔''

(تحقیقِ جدید متعلق قبرِ مسیح از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔ شائع کردہ بکڈپو تالیف واشاعت قادیان۔ اکتوبر 1936 صفحہ 5 تا 6)

حضرت خلیفہ نور الدین جمونیؓ کو تحقیقات کے لیے کشمیر بھجوانے کے حوالہ سے حضرت مسیح موعودؑ کے علم کلام میں مزید وضاحت اس طرح موجود ہے۔ آپؑ تحفہ گولڑویہ میں فرماتے ہیں:

''**جب میں نے اس قصہ کی تصدیق کے لئے** ایک معتبر مرید اپنا جو خلیفہ نور الدین کے نام سے مشہور ہیں کشمیر سری نگر میں بھیجا **تو انہوں نے کئی مہینے رہ کر بڑی آہستگی اور تدبر سے تحقیقات کی۔ آخر ثابت ہو گیا کہ فی الواقع صاحب قبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جو یوز آسف کے نام سے مشہور ہوئے۔** یوز کا لفظ یسوع کا بگڑا ہوا یا اس کا مخفف ہے اور آسف حضرت مسیح کا نام تھا جیسا کہ انجیل سے ظاہر ہے جس کے معنے ہیں یہودیوں کے متفرق فرقوں کو تلاش کرنے والا یا اکٹھے کرنے والا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کشمیر کے بعض باشندے اس قبر کا نام عیسیٰ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں۔ اور اُن کی پُرانی تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ ایک نبی شہزادہ ہے جو بلادِ شام کی طرف سے آیا تھا۔ جس کو قریباً اُنیس 1900 سو برس آئے ہوئے گذر گئے اور ساتھ اس کے بعض شاگرد تھے اور وہ کوہ سلیمان پر عبادت کرتا رہا اور اُس کی عبادت گاہ پر ایک کتبہ تھا جس کے یہ لفظ تھے کہ یہ ایک شہزادہ نبی ہے جو بلادِ شام کی طرف سے آیا تھا۔ نام اس کا یوز ہے۔ پھر وہ کتبہ سکھوں کے عہد میں محض تعصب اور عناد سے مٹایا گیا اب وہ الفاظ اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔

اور وہ قبر بنی اسرائیل کی قبروں کی طرح ہے اور بیت المقدس کی طرف مُنہ ہے اور قریباً سرینگر کے پانسو آدمی نے اس محضر نامہ پر بدیں مضمون دستخط اور مہریں لگائیں کہ کشمیر کی پُرانی تاریخ سے ثابت ہے کہ صاحب قبر

ایک اسرائیلی نبی تھا اور شہزادہ کہلاتا تھا کسی بادشاہ کے ظلم کی وجہ سے کشمیر میں آ گیا تھا اور بہت بڈھا ہو کر فوت ہوا اور اُس کو عیسیٰ صاحب بھی کہتے ہیں اور شہزادہ نبی بھی اور یوز آسف بھی۔ اب بتلاؤ کہ اس قدر تحقیقات کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے میں کسر کیا رہ گئی اور اگر باوجود اس بات کے کہ اتنی شہادتیں قرآن اور حدیث اور اجماع اور تاریخ اور نسخہ مرہم عیسیٰ اور وجود قبر سرینگر میں اور معراج میں بزمرۂ اموات دیکھے جانا اور عمر ایک سو بیس سال مقرر ہونا اور حدیث سے ثابت ہونا کہ واقعہ صلیب کے بعد وہ کسی اور ملک کی طرف چلے گئے تھے اور اسی سیاحت کی وجہ سے اُن کا نام نبی سیاح مشہور تھا۔ یہ تمام شہادتیں اگر ان کے مرنے کو ثابت نہیں کرتیں تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا۔" (تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 100، 101)

خانیار میں مقبرہ یوز آسف کی ایک تصویر

مقبرہ یوز آسف کے اندر لکڑی اور شیشے کا فریم جس میں دو قبریں۔ ایک یوز آسف کی اور ایک بعد کے ایک بزرگ نصیر الدین خانیاری کی۔

ایک اور جگہ آپؑ نے اس حوالہ سے فرمایا:

''ایک زمانہ گزر گیا کہ میرے پنجوقت کی یہی دُعائیں ہیں کہ خدا ان لوگوں کو آنکھ بخشے اور وہ اس کی وحدانیت پر ایمان لاویں اور اس کے رُسول کو شناخت کر لیں اور تثلیث کے اعتقاد سے توبہ کریں چنانچہ ان دُعاؤں کا یہ اثر ہوا ہے **کہ یہ ثابت ہو گیا ہے** کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے نجات پاکر اور پھر مرہم عیسیٰ سے صلیبی زخموں سے شفاء حاصل کر کے نصیبین کی راہ سے افغانستان میں آئے اور افغانستان سے کوہ نعمان میں گئے اور وہاں اس مقام میں ایک مدت تک رہے جہاں شہزادہ نبی کا ایک چبوترہ کہلاتا ہے جو اَبْ تک موجود ہے اور پھر وہاں سے پنجاب میں آئے اور مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے آخر کشمیر میں گئے اور ایک سَو پچیس برس کی عمر پاکر کشمیر میں ہی فوت ہوئے اور سرینگر خانیار کے محلہ کے قریب دفن کئے گئے اور مَیں اس تحقیقات کے متعلق ایک کتاب تالیف کر رہا ہوں جس کا نام ہے۔ مسیح ہندوستان میں۔

چنانچہ میں **نے اس تحقیق کے لئے مخلصی محبّی خلیفہ نوردین صاحب کو جن کا ابھی ذکر کر آیا ہوں کشمیر میں بھیجا تھا** (خلیفہ نور دین صاحب کو خدا تعالیٰ اجر بخشے کہ اس تمام سفر اور رہائش کشمیر میں انہوں نے اپنا خرچ اٹھایا اپنی جان کو تکلیف میں ڈالا اور اپنے مال سے سفر کیا۔منہ) **تا وہ موقعہ پر حضرت مسیح کی قبر کی پوری تحقیقات کریں** چنانچہ وہ قریباً چار ماہ کشمیر میں رہ کر اور ہر ایک پہلو سے تحقیقات کر کے اور موقعہ پر قبر کا ایک نقشہ بنا کر اور پانسو چھپن آدمیوں کی اس پر تصدیق کرا کر کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے جس کو عام لوگ شہزادہ نبی کی قبر اور بعض یوز آسف نبی کی قبر اور بعض عیسیٰ صاحب کی قبر کہتے ہیں، 27 ستمبر 1899ء کو واپس میرے پاس پہنچ گئے۔ سو کشمیر کا مسئلہ تو خاطر خواہ انفصال پا گیا اور پانسو چھپن شہادت سے ثابت ہو گیا کہ در حقیقت یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے کہ جو سری نگر محلہ خانیار کے قریب موجود ہے۔''

(مجموعہ اشتہارات۔ جلد2 صفحہ 548،549 نظارت اشاعت قادیان 2019ء)

مذکورہ بالا تمام حوالہ جات میں حضورؑ سری نگر میں قبر مسیح کی دریافت کو تحقیق سے جوڑ رہے ہیں کہیں ذکر نہیں فرما رہے کہ مجھے اس بارہ میں الہام ہوا تھا۔ بلکہ یہی فرما رہے ہیں کہ میں نے تحقیق کروائی ہے اور تحقیق سے ثابت ہوا ہے۔

پھر 1899 میں آپ نے اس تمام تحقیق کو ایک جگہ یکجائی صورت میں پیش فرمانے کے لیے کتاب مسیح ہندوستان میں لکھنا شروع کی اور اس کو دس ابواب میں تقسیم کیا۔ **جن کی تفصیل کتاب مسیح ہندوستان میں کے دیباچہ میں موجود ہے۔** لیکن دیگر امورِ دینیہ میں مصروف ہونے کی وجہ سے آپ اس کتاب کے چار ابواب ہی مکمل کر پائے۔ ان ابواب میں سے جن پر آپ کام کرنا چاہتے تھے لیکن دیگر مصروفیات کی وجہ سے نہ کر سکے آٹھواں باب'' **وہ شہادتیں جو خدا کے تازہ**

الہام سے ہم کو ملی ہیں۔" تھا۔ اگر آپؑ کو اس حوالہ سے کوئی الہامات ہوتے تو آپ ضرور اس باب میں درج فرماتے۔ لیکن اس حوالہ سے آپ نے کچھ درج نہیں فرمایا۔

اپنی تصنیف "ستارۂ قیصریہ" میں ملکہ وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:

"**بہت سے قطعی دلائل اور نہایت پختہ وجوہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے** بلکہ خدا نے اس پاک نبی کو صلیب پر سے بچالیا اور آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے نہ مر کر بلکہ زندہ ہی قبر میں غشی کی حالت میں داخل کئے گئے اور پھر زندہ ہی قبر سے نکلے ..... اس کے علاوہ ایک بڑی خوشخبری جو ہمیں ملی ہے وہ یہ ہے **کہ دلائلِ قاطعہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے اور یہ امر ثبوت کو پہنچ گیا ہے** کہ آپ یہودیوں کے ملک سے بھاگ کر نصیبین کی راہ سے افغانستان میں آئے..... پھر کشمیر میں آئے اور ایک سو بیس برس کی عمر پا کر سری نگر میں آپ کا انتقال ہوا اور سری نگر محلہ خانیار میں آپؑ کا مزار ہے چنانچہ اس بارے میں میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے **مسیح ہندوستان میں**۔ یہ ایک بڑی فتح ہے جو مجھے حاصل ہوئی ہے اور میں جانتا ہوں کہ جلد تر یا کچھ دیر سے اس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ یہ دو بزرگ قومیں عیسائیوں اور مسلمانوں کی جو مدت سے بچھڑی ہوئی ہیں باہم شیر و شکر ہو جائینگی اور بہت سے نزاعوں کو خیر باد کہہ کر محبت اور دوستی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائیں گی۔" (ستارہ قیصریہ۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 123 تا 124)

اسی طرح تریاق القلوب میں آپؑ فرماتے ہیں:

"میں نشانوں کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور ایک بڑا بھاری معجزہ میرا یہ ہے کہ میں نے **حسّی بدیہی ثبوتوں کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات کو ثابت کر دیا ہے اور ان کی جائے وفات اور قبر کا پتہ دے دیا ہے**۔ چنانچہ جو شخص میری کتاب مسیح ہندوستان میں اوّل سے آخر تک پڑھے گا۔ گو وہ مسلمان ہو یا عیسائی یا یہودی یا آریہ۔ ممکن نہیں کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اس بات کا وہ قائل نہ ہو جائے کہ مسیح کے آسمان پر جانے کا خیال لغو اور جھوٹ اور افترا ہے۔ غرض یہ ثبوت نظری حد تک محدود نہیں بلکہ نہایت صاف اور اجلیٰ بدیہات ہے جس سے انکار نہ صرف بعید از انصاف بلکہ انسانی حیا سے دور ہے۔" (تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 145)

مذکورہ بالا حوالوں میں بھی حضورؑ حسی بدیہی ثبوتوں (Physical Evidences) سے قبرِ مسیح کے انکشاف کا ذکر کر رہے ہیں نہ کسی الہام کی بنیاد پر۔ البتہ 18 نومبر 1902 کو آپؑ نے ایک خواب دیکھا جس کا ذکر ملفوظات میں اس

طرح ہے:

18 نومبر 1902ء بروز سہ شنبہ (بوقت فجر)

ایک عظیم الشان رؤیا: بعد نماز فرمایا کہ:

"نماز فجر سے کوئی بیس یا پچیس منٹ پیشتر میں نے خواب دیکھا کہ گویا ایک زمین خرید لی ہے کہ اپنی جماعت کی میتیں وہاں دفن کیا کریں تو کہا گیا کہ اس کا نام بہشتی مقبرہ ہے جو اس میں دفن ہو گا بہشتی ہو گا۔

پھر اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ کشمیر میں کسر صلیب کے لئے یہ سامان ہوا ہے کہ کچھ پرانی انجیلیں وہاں سے نکلی ہیں میں نے تجویز کی کہ کچھ آدمی وہاں جائیں اور وہ انجیلیں لائیں تو ایک کتاب ان پر لکھی جائے۔ یہ سن کر مولوی مبارک علی صاحب تیار ہوئے کہ میں جاتا ہوں۔ مگر اس مقبرہ بہشتی میں میرے لئے جگہ رکھی جائے میں نے کہا کہ خلیفہ نورالدین کی بھی ساتھ بھیج دو۔"

یہ خواب حضرت اقدس نے سنایا اور فرمایا کہ:

"اس سے پیشتر میں نے تجویز کی تھی کہ ہماری جماعت کی میتوں کے لئے ایک الگ قبرستان یہاں ہو سو خدا تعالیٰ نے آج اس کی تائید کر دیا اور انجیل کے معنے بشارت کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہاں سے کوئی بڑی بشارت ظاہر کرے اور جو شخص وہ کام کر کے لائے گا وہ قطعی بہشتی ہو گا۔"

(ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعودؑ جلد 3 صفحہ 389 جدید ایڈیشن 2022ء)

کشمیر میں قبر مسیحؑ:

مغرب کی نماز باجماعت ادا کر کے حضرت اقدس حسب معمول مسجد کے شمال مغربی کونہ میں بیٹھ گئے اور فجر کی خواب پر حضرت اقدس اور اصحاب کبار تذکرہ کرتے رہے۔ فرمایا کہ:

"کشمیر میں مسیح کی قبر کا معلوم ہونے سے بہت قریب ہی فیصلہ ہو جاتا ہے اور سب جھگڑے طے ہو جاتے ہیں اگر فراست نہ بھی ہو تو بھی یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ آسان بات کون سی ہے۔ اب آسمان پر جانے کو کون سمجھے جو باتیں قرین قیاس ہوتی ہیں وہی صحیح نکلتی ہیں **آج تک خدا کے الہام سے اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوا تھا۔ مگر اب خود ہی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا اب تخم ریزی تو ہوئی ہے امید ہے کہ کچھ اور امور بھی ظاہر ہوں گے** عادت اللہ اسی طرح ہے یہ خواب بالکل سچا ہے اور اس کے ساتھ کسی طرح کی آمیزش نہیں ہے۔ مجھے اس وقت خواب میں معلوم

ہوتا تھا کہ کوئی بڑا عظیم الشان کام ہے جیسے کسی کو لڑائی پر جانا ہوتا ہے **اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ ہماری فراست نے خطا نہیں کی**۔ یہ عقدہ اللہ تعالیٰ حل کر دے تو صدہا برسوں کا کام ایک ساعت میں ہو جائے اور عیسائیوں اور ان مولویوں کے گھروں میں ماتم پڑ جائے۔"

ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور پھر تو سارے انگریز رجوع باسلام ہو جائیں فرمایا:

"دنیا میں ایک حرکت ہے اس کی مثال تو یہ ہے کہ جیسے تسبیح کا (دھاگہ ٹوٹ کر) ایک دانہ نکل جائے تو باقی بھی نہیں ٹھہرتے خواہ پادری پیٹتے ہی رہ جائیں تمام انگریز ٹوٹ پڑیں گے اللہ تعالیٰ کے داؤ ایسے ہی ہوتے ہیں: مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔(آل عمران: 55)"

(ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعودؑ جلد 3 صفحہ 390، 391 جدید ایڈیشن 2022ء)

مذکورہ بالا خواب پر تبصرہ کرتے ہوئے خود حضرت مسیح موعودؑ نے یہ فرمایا ہے کہ آج تک اس بارہ میں الہام سے کوئی راہنمائی نہیں ہوئی تھی۔ اب یہ پہلی بار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اشارہ دیا ہے۔ اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا ہے کہ اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ قبر مسیح کے حوالہ سے جو تحقیق میں نے پیش فرمائی ہے وہ درست ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا "**اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ ہماری فراست نے خطا نہیں کی۔**" اس کے علاوہ آپؑ کی تحریرات میں اور کوئی اشارہ اس حوالہ سے الہام کا نہیں ہے۔

یہ بھی خواب میں اشارہ ہے کہ آپؑ کی تحقیق درست سمت میں ہوئی ہے نہ یہ کہ اس تحقیق کا آغاز کسی خواب یا کشف کی بنا پر ہوا ہے اور آپؑ نے خود بھی خواب میں ملنے والے اس اشارہ سے یہی سمجھا ہے کہ "**ہماری فراست نے خطا نہیں کی۔**"

پس خلاصہ کلام یہ کہ ان اقتباسات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی وفات کا علم دیا گیا اور پھر بعض ذرائع سے آپؑ کو قبرِ مسیح کے کشمیر میں ہونے کا پتہ چلا تو آپؑ نے اس پر ٹھوس تحقیقات کروا کر اس کے نتائج دنیا کے سامنے پیش فرمائے۔ **اور قبر مسیح سے متعلقہ اپنی دریافت کو ہر جگہ آپ نے تحقیق ہی بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ الہام کا ذکر نہیں فرمایا۔** پس اس حوالہ سے ہمیں بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے حضورؑ کی ایک عظیم الشان تحقیق ہی بیان کرنا چاہیئے۔ نہ کہ اس کو الہام سے جوڑنا چاہیئے۔

❁❁❁❁❁

ردّ دہریت

قسط دوم:

زمین پر زندگی کی ابتداء اور خدا کا "ہاتھ"

(وسیمہ اُپل صاحبہ (آسٹریلیا) بنت پروفیسر چوہدری رحمت علی مسلم صاحب (مرحوم))

کرۂ زمین پر زندگی کا موجود ہونا خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک ایسا ناقابل تردید ثبوت ہے جو ہر غور اور فکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کی طرف لے جاسکتا ہے۔ بد قسمتی سے دہریت کے حامی اس نہایت خوبصورت دلیل ہستی باری تعالیٰ کو ایک اندھے ارتقاء کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ایک ایسا اتفاق ہے جو کائنات کی بے ترتیبی اور اندھا دھند پھیلاؤ کے نتیجہ میں ظہور میں آیا۔ زیر نظر مضمون ایسی ہی سوچ کا ایک محققانہ جواب ہے جس میں بالتفصیل اس نظریہ کی نفی کی گئی ہے۔ گزشتہ قسط میں ہم نے دیکھا تھا کہ کیسے خوبصورت اور منظم طریق سے ہماری زمین پر زندگی کا آغاز کرنے کے لئے کائنات میں تیاریاں ہوئیں اور کس طرح زمین پر گرنے والے شہابیوں (Meteorites) اور ان میں ملنے والی پروٹینس نے یہ حقیقت ہم پر کھولی۔ اس قسط میں ہم اس حصّہ کو مزید تفصیل سے دیکھیں گے۔

"L" اور "D" amino acids اور "Chirality":

جیسا کہ پہلی قسط سے واضح ہے کہ زمین بننے کے بعد اس پر ہونے والے واقعات میں سے meteorites کی لمبی مدت تک بارش ایک بہت اہم واقعہ تھا جس کے نتیجہ میں اس کرۂ ارض کی geochemistry ہی تبدیل ہو گئی۔ اگر یہ

"آسمانی پتھر" اور "مٹی" (star dust) اپنے ساتھ قیمتی متاع اور پانی نہ لائے ہوتے تو نہ زندگی کے آغاز کا عمل ہوتا اور نہ ہی زمین پر انواع واقسام کے جاندار ہوتے اور نہ ہی باشعور انسان اس خوبصورتی کو دیکھنے کے لئے بنایا جاتا۔ سائنس کی ترقی کے بعد ہی حیاتیات کے ماہرین(Biologists) نے تجربات کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ زندگی کس طرح اس زمین پر بنی ہو گی۔ اُن کا یہی خیال تھا کہ یہیں پر (Inorganic) simple elements سے Complex life بن گئی ہو گی۔ اس کے بعد environment میں مزید تبدیلی آئی۔ آکسیجن بنی اور زندگی کا ارتقاء (Biological evolution) ہوتا رہا اور سب اقسام کی زندگی وجود میں آگئی۔

بہت سے عقلمند سائنس دانوں بشمول Harvard University کے ماہر حیاتیات Claude Villee (Emiretus) نے بہت سال قبل کہا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ جو molecules پانی میں اکٹھے ہو گئے تھے وہ "خود بخود" پروٹین یا RNA بنانے لگیں۔ یہ ایک بہت complex عمل تھا اور بہت سی stages سے گزر کر ہی life بن سکتی تھی۔ لیکن اس کے بعد سائنس دانوں کو تجسس ہوا کہ یہ جو پتھر آسمان سے گرتے ہیں ان کی کیمیائی ساخت کا تجزیہ کیا جائے تا معلوم ہو کہ دُور کے زمانے میں جب یہ event (یعنی زمین پر شہابیوں کی بارش) بہت شدید نوعیت کا تھا تو آخر اُس کا مقصد کیا تھا؟ چنانچہ حالیہ دہائیوں میں ان شہابیوں پر تفصیل سے تحقیق کی گئی اور کئی حیران کرنے والے حقائق سامنے آئے جن سے کائنات میں ستاروں میں ہونے والی activities اور ارتقاء کا علم ہوا۔ نیز یہ کہ زندگی (life) کے بننے کے لئے جو بنیادی مرکبات درکار تھے وہ زمین پر نہیں بلکہ کائنات میں بن کر آئے۔

ایک اور اہم انکشاف یہ ہوا کہ سب سے اہم ingredients یعنی amino acids کی جو قسم بہت زیادہ مقدار میں ان meteorites میں پائی گئی وہ "L" ہے نہ کہ "D" اور Biochemistry میں یعنی تمام cells میں (سوائے bacteria کے) پروٹین بننے کے لئے ہمیشہ "L" قسم کے amino acids ہی استعمال ہوتے ہیں۔ یہ "L" اور "D" کیا ہے اور اسکی اہمیت کیا ہے؟

اس کے لئے جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ Chemistry میں ہر لیول پر ایٹم سے لیکر cell molecules تک نیز جانداروں میں بھی chirality یعنی mirror image ہوتا ہے جیسے ہمارے ہاتھ chiral ہیں یعنی ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کا mirror image ہے۔ اسی طرح کائنات میں کہکشائیں بھی chirality رکھتی ہیں۔ جب زمین پر زندگی بنانے کے chemicals آئے تو ان میں بھی chirality تھی یعنی دو forms تھیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کا mirror image تھیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جیسے کائنات میں بڑی ترتیب سے قوانین کام کر رہے تھے ویسے

ہی زمین پر زندگی بنانے کے لئے بھی اسی اصول سے انہوں نے کام کیا۔ چھوٹے(micro) لیول سے بڑے(macro) لیول تک یہی طریق کارفرما نظر آتا ہے۔اس وقت ہم دو اہم molecules کی بات کرتے ہیں جو زندگی بنانے کے لئے نہایت اہم ہیں یعنی amino acids اور وہ sugars (Deoxyribose & Ribose) جو DNA اور RNA بناتی ہیں۔

1953ء میں سب سے پہلی بار Chicago University میں ایک research کے دوران کیمسٹری کے ماہرین نے بتایا amino acids کی نیچر ایسی ہے کہ ان میں ایک مرکزی کاربن (C) ہے جس کے ساتھ hydrogen (H) جُڑتا ہے اور دوسری طرف ایک اور کاربن (C) تیسری طرف نائٹروجن (N) اور چوتھی طرف ہر amino acid میں مختلف تعداد میں C اور H اور کئی اور ایٹمز جیسا کہ oxygen یا سلفر (جو دو amino acids میں ہیں)

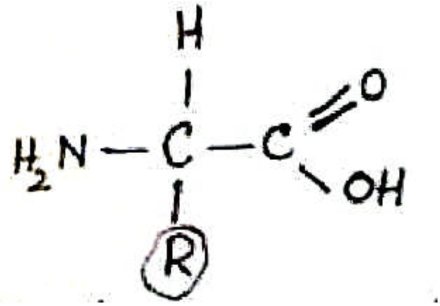

Glycine ان میں سے سب سے Simple ہے اور یہ Chiral بھی نہیں ہے۔

amino acids کی کئی بڑی unique خاصیتیں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک کے سوا یہ سب "Chiral" ہیں ۔اس کا مطلب ہے ہر amino acid دو forms میں ہے جس میں ایک دوسرے کا mirror image ہے۔۔پس ہر amino acid۔ "L"یعنی left handed اور "D"یعنی Right handed ہے۔ چنانچہ ان کے structure کو تصویر کے ذریعہ اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے۔

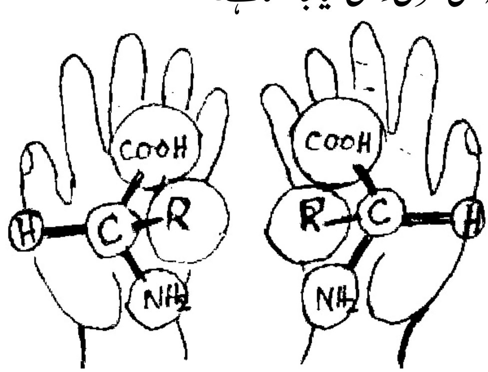

Biologists نے یہ بھی جان لیا ہے کہ تمام جانداروں کی پروٹین میں ہمیشہ "L" یعنی left handed

amino acid ہوتے ہیں سوائے glycine کے جس کی chirality نہیں ہے۔

پس تمام جانداروں کی پروٹین میں amino acids کی homochilarity ہے۔

اسی لئے سائنس دانوں نے جب مختلف meteorites کا تجزیہ کیا تو انہیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ اُن میں "D" کی نسبت "L"، amino acids کی بہتات ہے۔ "L" اور "D" دونوں ہی forms کے amino acids کائنات میں بنتے ہیں لیکن جب وہ "مٹی" (meteor dust) کے ساتھ neutron stars سے گزرتے ہیں تو ان سے نکلنے والی polarised روشنی right handed amino acids کو destroy کر دیتی ہے۔ Columbia University کے Prof Breslow Ronald نے 2008 میں امیریکن کیمیکل سوسائیٹی کی 235ویں میٹنگ میں ایسا کہا[1] اور بعد میں اور تجزیہ دانوں نے بھی اس کی توجیحات پیش کیں کہ کیوں ان شہابیوں میں "L" قسم کے amino acids زیادہ ہیں۔

NASA کے سائنس دان Daniel P. Glavin نے کچھ اور ماہرین کے ساتھ مل کر تحقیق کی اور ایک بہت زبردست مضمون تحریر کیا جو امریکہ کے خلائی تحقیق سے متعلق ایک موقر جریدے میں چھپا۔[2] اس مضمون کا عنوان ہے:

"Extraterrestrial amino acids and "L"-enantiomeric excesses in Aguas Zarcas and Murchison Carbonaceous Chondrites." (16 Jan 2020)

اس کا مختصر خلاصہ اس طرح ہے کہ:

1۔ مختلف قسم کی techniques کے نتیجے میں دونوں meteorites (Murchison اور Aguas Zarcas) میں کثرت سے L-amino acids پائے گئے ہیں۔

2۔ ان دونوں میں کوئی زمینی contamination نہیں ہے۔

3۔ ان پتھروں کو بہت جلد جمع کر لیا گیا تھا۔

4۔ ان پتھروں میں بہت سے amino acids زمین کی life میں نہیں پائے جاتے ہیں اور rare ہیں۔ اب تک (کم از کم) 96 (چھیانوے) amino acids دریافت ہو چکے ہیں۔

5۔ زمین کی life میں 20 مختلف amino acids ہی پروٹین بنانے میں کام آتے ہیں جن میں سے اکثر ان پتھروں میں موجود ہیں اور یہ سب L-type ہی ہیں۔

---

[1] https://www.sciencedaily.com/releases/2008/04/080406114742.htm

[2] Meteoritics & Planetary Science 56, Nr 1, 148–173 (2021)

6۔ان amino acids کا بہت تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے کیونکہ یہ cells کی پروٹین کے اہم جزو (building blocks) ہیں۔

7۔Murchison کا ہر amino acid اپنی نوعیت میں "Chiral" ہے۔یعنی mirror image جیسے ہمارے دو ہاتھ۔

8۔meteorites میں پایا جانے والا glyceraldehyde بھی "chiral" ہے۔یعنی ''L'' اور ''D'' (left handed & right handed)

9۔سب سے اہم سوال یہی ہے کہ جب کائنات میں دونوں forms بنتی ہیں (L اور D) تو L ہی کیوں زیادہ آتے ہیں؟ meteorites انہی کو کیوں pick کرتے ہیں۔کیا اس میں کسی ''غیبی طاقت'' کا ہاتھ ہے؟

Huang (2005), Pizardlo, P. Glavin اور Burton (2013) نے کہا اس کا جواب تو ہمارے پاس نہیں ہے لیکن اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ جب کائنات میں amino acids کا پانی سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو ایک قسم ختم ہو کر L-type کی بہتات ہو جاتی ہے۔

10۔دوسری وجہ ''L'' قسم کے amino acids کی بہتات کی Daniel P. Glavin نے یہی بتائی کہ circularly polarized روشنی نے L-type کی مقدار زیادہ کر دی۔ (اصل بات تو یہی ہے کہ اس سارے معاملے میں ایک "Divine Hand" کام کر رہا تھا۔)

پس کائنات میں بننے والے اہم ingredients جن سے زندگی بنتی تھی اُن کے لئے قوانینِ قدرت کام کر رہے تھے جیسے nuclear forces ذرہ بھر بھی weak ہو جاتیں تو نہ ایٹم بنتے اور نہ ہی molecules اور نہ زندگی وجود میں آ سکتی۔ پس nuclear force زندگی بننے کے لئے بالکل درست تھی۔ پس اتنی باریک حکمت کا کام حادثاتی کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر وہ تمام rocks جن میں درست chemicals آئے تھے وہ بغیر کسی تبدیلی کے موجود رہیں۔ ورنہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ جانداروں میں موجود ''L'' قسم کے amino acids مرنے کے بعد آہستہ آہستہ D-type میں تبدیل ہونے لگتے ہیں اس طرح L اور D کا ایک مکسچر بن جاتا ہے اس عمل کو racimization کہتے ہیں، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

پروٹین میں Homochirality کی بہت اہمیت ہے کہ ایک ہی طرح کے ''L'' قسم کے amino acids

ان میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس خاصیت کی وجہ سے ہر پروٹین کی اپنی ایک پہچان ہوتی ہے۔ اُس کا ایک Unique structure بنتا ہے جس کی وجہ سے وہ اُس Chemical reaction میں involve ہوتا ہے جس کے لئے وہ بنا ہے۔ جیسے ہر تالے کے لئے ایک خاص چابی ہے جو اُس کو کھولتی ہے اس لئے ہر عقل مند انسان یہی کہتا ہے کہ:

"It thus seems to be a prequisite for the oregin of life"

یہ پہلے سے طے شدہ بات تھی۔ مقدم شرط تھی۔ پہلے سے ضرورت طے ہو چکی تھی۔ نہ تو by chance اور نہ ہی کوئی random pick up بلکہ ضروری تھا کہ ایسے ہی ہو۔ اس لئے سائنس دانوں کو biological molecules میں homochirality (single handedness) بہت fascinate کرتی ہے۔ اور یہ صرف amino acids میں ہی نہیں بلکہ RNA اور DNA کی sugars کو دیکھیں تو وہ ہمیشہ D – type کی ہوتی ہیں۔ یہ homochinality بتا رہی کہ ایک عظیم Designer خالق تھا جس نے یہ Intelligent Design تیار کیا۔ اگر DNA کے structure میں صرف ایک ہی قسم (D) کی sugars نہ ہوتیں تو DNA اپنا خوبصورت double helix نہ بنا سکتا اور نہ ہی definite طریقے سے proteins کے گرد coil کر کے اپنا کام کرنے کے قابل ہوتا۔

Dunitz اور Heilbronner نے اپنی کتاب Reflections on Symmetry(1993) میں صفحہ 71 سے Chirality کا مضمون سمجھانا شروع کیا اور کہا کہ یہ ایک "معمہ" ہے جبکہ Chiral molecules کی physical اور Chemical خاصتیں بالکل ایک جیسی ہیں۔ جب بھی کسی process میں خالق کا ہاتھ ہو تو سائنس دان کہہ دیتے یہ تو ایک Riddle ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کائنات میں گو amino acids دونوں forms میں ہیں اور ہر چیز میں chirality ہے ۔ اس بات کو پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب نے پہلے ہی واضح کر دیا تھا۔ اٹلی کے شہر Trieste میں قائم International Centre for Theoretical Physics میں ریسرچ کرنے والے کئی محققین نے اپنے پیپرز میں واضح کیا ہے کہ پروفیسر عبد السلام کا خیال بالکل درست تھا کہ "L" amino acids کی lower ground state energy کی وجہ electro weak energy ہے اور یہی Mason (1992) نے Quantum Chemistry calculation سے ثابت کیا تھا۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ amino acids کے سلسلے میں پروٹین میں جو left handed Chirality کی "طرفداری" (bias) ہے اسکو neodarwinism کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں اور یہی نکتہ

biological evolution میں بھی نظر آتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب یہی چاہتے تھے کہ اس پر research کی جائے کہ Chiral bias کیوں ہے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ electroweak interaction کی وجہ سے "L" amino acids زیادہ بن رہے تھے اور زمین پر amino acids نہ بن سکتے تھے کیونکہ اس transition کے لئے energy اور درجہ حرارت کم تھا۔

Chela Flores نے 1991ء میں لکھا Salam phase transition theory بالکل صحیح تھی اور اسی وجہ سے ایک قسم کے amino acids کو ترجیح (جسکو سائنس دان bias کہتے ہیں) مل رہی تھی اور زمین پر Origin of Life کے لئے وہی استعمال ہوئے۔

یہ بھی ریسرچ کی گئی ہے کہ 'L'-leucine اور L-aspartate میں خاصیت ہے کہ وہ bentonite کے ساتھ bind کرتے ہیں جو ایک Colloidal Clay ہے۔ 1969ء میں Weiss نے کہا تھا کہ جو polar organic molecules ہوتے ہیں وہ clay minerals کی سطح کے ساتھ چپکتے (adsorption) ہیں۔

Chela Flores نے لکھا ہے: سلام کی theory (Phase transition) پر بہت زیادہ ریسرچ ہونی چاہیئے کیونکہ سلام نے بہت مفید معلومات فراہم کی ہیں۔

("Origin of Chirality in protein amino acids"1994)

کائنات میں ہر چیز کی خوبصورت Symmetry کے بننے میں خدا تعالیٰ کا ہی ہاتھ نظر آتا ہے شروع سے ہی ہر molecule کے بننے میں یہی symmetry کام کر رہی تھی۔ اس بارے میں پروفیسر عبد السلام نے جدید ریسرچز سے کافی پہلے اس کے بارہ میں بتایا تھا۔ آج بھی اٹلی کے شہر Trieste کے International Centre for Theoretical Physics کے محققین لکھتے ہیں (Julian Chola - Flores) کہ پروٹین میں amino acids کی purity کے بارے میں سب سے original theory پروفیسر عبد السلام نے ہی پیش کی تھی کہ chirality جو پروٹین کے amino acids میں پائی جاتی ہے اسکی ابتدا کائنات میں ایک phase transition تھی جب racemic mixture یعنی دونوں L اور D قسم کے amino acids موجود تھے مگر polarized light میں دونوں opposite اثر دکھاتے تھے ایک دائیں کی طرف (D) اور وہی بائیں کی طرف بھی (L) یعنی اگر alanine amino acid کے 20 مالیکیولز ہیں تو 10 دائیں کو چلے گئے اور باقی 10 بائیں طرف کو اور net optical activity زیرو ہو گئی۔ پس تمام Chiral

molecules ایسے ہی rotate کرتے یا تو clockwise (dextrorotatory) اور "D" کہلائے اور یا anticlockwise (leverorotatory) جنہیں "L" کا نام دیا۔

Julian Chela Flores (1994) نے اپنے مضمون The Origin of Chirality in protein میں لکھا کہ کیمیائی ارتقاء سے تعلق رکھنے والا سب سے حیرت انگیز مسئلہ زندگی کی ابتداء کا ہی ہے۔ amino acids ، خاص طور پر جب چھوٹے (micro) سے macro یعنی بڑے کی طرف جاتے ہیں، تو وہ بہت مختلف molecules طریقے سے behave کرتے ہیں۔ جیسا کہ جب chemistry سے biochemistry کی طرف ترقی ہوتی ہے تو عدم سے زندگی وجود میں آنے لگتی ہے۔

Julian نے اپنے اس ریسرچ پیپر میں جو کچھ ہمیں بتایا ہے بلاشبہ وہ حیران کر دینے والے بہت سے معمے ہیں جو آپ کو origin of Life کے مختلف مراحل میں دیکھنے کو ملیں گے۔ یہ ایسے معاملات ہیں جو انسان کو ششدر کر دیتے ہیں کہ کس طرح (macromolecules) جیسے proteins اور RNA اور DNA میں بہت سی "information" موجود ہے۔ اور وہ بھی صرف 4 قسم کی ACGT bases کے ذریعہ سے۔ جنہوں نے DNA میں millions قسم کی "codes" بنادیں اور اسی طرح RNA میں 4 قسم کی bases، ACGU نے یہ کام کیا اور پھر انہی codes میں وہ "پیغام" ہے جو تب کھلتا جب protein کا ایک molecule بنتا ہے۔ یہی جانداروں کی وہ خاصیت ہے جو Physics اور Chemistry سے بہت دور جاتی ہے۔ چونکہ پروٹین میں amino acids کی Cherality بہت اہم ہے اس لئے اسکو الگ سے discuss کرنا بہت ضروری تھا تاکہ جب ہم یہ "معمہ" حل کرنے کی کوشش کریں کہ زندگی بننے کے لئے سب سے پہلے اتنی اقسام کی proteins کیسے بن گئیں اور یہ کہ protein پہلے بنی یا RNA ، تو ہمیں یہ سب سمجھنے میں آسانی ہو۔ کیونکہ اس کے لئے cell کی basic Chemistry کا تھوڑا سا علم ہونا ضروری ہے۔

Cell ایک عجوبہ مشین

تمام جانداروں (living organisms) کی اکائی cell ہے، جو ایک بہت چھوٹی سی چیز ہے اور ظاہری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا۔ عام طور پر اس کا سائز 1/100 mm ہے یعنی ایک ملی میٹر سے 100 گنا چھوٹا۔ کہنے کو تو یہ fluid مگر جب microscope کے نیچے دیکھیں تو اس کی شکل عام طور پر گول spherical یا rectangular ہے۔ یہ

fluid ایک غلاف میں بند ہے جسے cell membrane کہتے ہیں۔ اور مذکورہ fluid کو cytoplasm کہتے ہیں جبکہ سیل کے مرکز میں nucleus ہے۔ سیل کا 70% سے زائد حصہ پانی ہے۔

سیل کے بنیادی ڈھانچے کو ذیل میں دی گئی تصویر سے سمجھا جا سکتا ہے۔

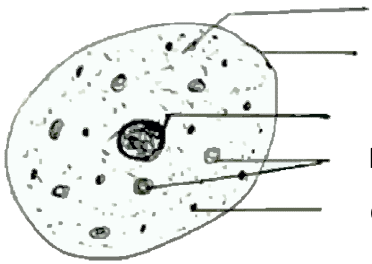

Fig.1. Animal cell Approximately 2000 x than actual size

Cell کو سب سے پہلے 1665ء میں ایک برطانوی سائنسدان Robert Hooke (1635ء-1703ء) نے اپنے چھوٹے سے microscope میں دیکھا اور اس کی drawing بنائی اور پھر اپنی کتاب Micrographia میں لکھا کہ

"I could exceeding plainly perceive it to be all perforated and porous, much like a Honey-comb"(Micrographia (1665 ed.) page 113)

یعنی میں نے cork کو دیکھا کہ وہ شہد کے چھتے کی طرح چھوٹے چھوٹے pores یا boxes ہیں۔ پھر اس نے ان کو cell کا نام دیا۔ اس نے کہا کہ یہ ایک انچ میں 1100 ہوں گے اور ایک مربع انچ (one square inch) میں 10 لاکھ سے زائد جبکہ ایک مکعب (cubic) انچ میں 1200 ملین سے زائد (12579712000) یعنی ایک cell اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ہماری آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی۔ تمام جانداروں کے cells building blocks ہیں جس طرح تمام chemicals ایٹمز سے مل کر بنے ہیں اور پھر ایٹمز sub atomic particales سے مل کر بنے ہیں۔

ایک cell (مثلاً animal cell) کو جب خوردبین (microscope) سے دیکھیں تو یہ ہمیں اوپر دی گئی تصویر (fig.1) کے مطابق نظر آتا ہے اس کی دیواروں کو cell membrane کہتے ہیں۔ اس کے اندر کا حصہ Cytoplasm پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ اس کے مرکز میں nucleus ہوتا ہے۔ nucleus وہ حصہ ہے جس کے اندر سب سے اہم مواد موجود ہے جو DNA (Deoxyribo nucleic acid) سے بنا ہے۔ ہر جاندار کے cell میں اس

کی مقدار (quantity) مقرر (fixed) ہے۔ ہم اسے ایک cell اور اس سے بنے جاندار کی ''کتاب'' کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس میں وہ codes یا instructions لکھی ہیں جن سے اس کی ساری زندگی چلتی ہے۔ DNA ہر cell اور ہر جاندار میں جیسے ابتدا میں بنا ویسے ہی آگے چلتا رہا یعنی یہ ایک inherited material ہے اور اس جاندار کی پہچان یا identity ہے اس کی quantity اور quality میں عام طور پر تبدیلی نہیں آتی۔ cell کے Cytoplasm میں چھوٹے چھوٹے rods کی شکل کے structures کو mitochondria کہتے ہیں جو کہ cell کے power houses ہیں کیونکہ یہ cell کو مسلسل energy دیتے اور زندہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ cell کے cytoplasm میں granules ہیں جن میں ان کی غذا محفوظ ہوتی ہے یہ غذا glycogen کہلاتی ہے یعنی زائد glucose۔ تمام پودوں کے cell کا بھی یہی structures ہوتا ہے مگر ان کی کچھ زائد کیمسٹری ہے جیسے کہ membrane کے باہر ایک اور covering جس کو cell wall کہتے ہیں۔ ان کا cytoplasm باہر کی طرف ہوتا ہے جس کی وجہ سے درمیان میں ایک cavity ہے جس میں پانی اور نمکیات کے علاوہ sugars ہیں اس لئے اس کا nucleus بالکل مرکز میں نہیں ہے۔ پودے کے وہ حصے جو سبز ہیں ان میں بہت سے chloroplasts ہیں جو رنگدار مادے رکھتے ہیں اور پودے کے لئے کھانا بنانے کا کام کرتے ہیں اور فضا میں oxygen پیدا کرتے ہیں جو سب جانداروں کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اس کے برعکس پودے کی جڑوں میں chloroplast نہیں ہوتے۔

زمین پر cell کا بننا اور پھر اس کا بہت سے مختلف انواع و اقسام کے cells میں تبدیل ہو جانا اور اس کا آغاز پانی سے ہونا ایک بہت ہی guided evolution تھی جو نہ صرف عجوبہ بلکہ ایک معمہ (riddle) ہے جس کو سائنس دان مانتے تو ضرور ہیں مگر جانتے نہیں کہ یہ سب ہوا کیسے؟ انہی stages کو ہم اس مضمون کے اگلے حصوں میں کسی حد تک explore کریں گے۔

ارتقاء کے اس سفر کے لئے ہمیں قرآن کریم سے ہی رہنمائی ملتی ہے جہاں ان stages کو چودہ سو سال سے زائد عرصہ قبل خالق کائنات نے بیان کیا جب نہ صرف موجودہ سائنس کا وجود نہیں تھا بلکہ cell کو بھی نہ کوئی جانتا تھا نہ ہی کوئی آنکھ اسے دیکھ سکتی تھی۔ یہ geochemistry سے biochemistry کی طرف کا سفر ہے یعنی ارتقاء کا سفر، chemicals سے cell یعنی زندگی بننے کا سفر۔

Cell بننے کے لئے organic molecules اور inorganic elements ایسے پانی میں موجود تھے جہاں

مختلف قسم کی چٹانیں تھیں۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ پانی میں ان chemicals کے combination سے بڑے moleculeبن سکتے۔ یہ عمل condensation کہلاتا ہے اور یہ خود بخود نہیں ہو سکتا۔

claude ville جو Harvard University کا Biology کا ایک بہت قابل استاد تھا اس کی کتاب Biology میں درج ہے کہ اس بات کا امکان نہیں کہ سمندروں میں organic monomers کی مقدار اتنی زیادہ ہو چکی ہو کہ جس کے نتیجے میں polymerization ہو گئی ہو۔ بلکہ سمندر کے باہر یعنی ساحل سمندر (coastal areas) پر clay کی surface پر یہ عمل ہوا ہو گا۔[1] اب غور کریں تو Professor Ville کا یہ نظریہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ clay یعنی چکنی مٹی نہ صرف suitable surface ہے بالکل اس کی اور بھی ایسی خاصیتیں ہیں جو اس کو polymerization کے لئے مناسب اور درست سطح بناتی ہیں۔ مثلاً اس میں Zinc اور Iron کی وجہ سے molecules کے جڑنے کا عمل تیز ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں عناصر اس عمل میں catalyst کی طرح کام کرتے ہیں۔

Professor Ville نے یہ بھی کہا تھا کہ clay میں یہ بھی خاصیت ہے کہ اس کے ساتھ "درست" والے (L- type)amino acids اور صحیح والی sugars (D- type) ہی bind کرتی تھیں اور یہی amino acids جانداروں living organisms کی proteins میں پائے جاتے ہیں اور یہی DNA sugars اور RNA میں۔

(Biology (Second Edition) by Claude A. Villee and others Saunders Collage Publishing p:473)

کیا عجیب بات ہے کہ قرآن میں اسی قسم کی مٹی (صلصال) کا ذکر ہے۔ اسی لئے اس مٹی کی وجہ سے proteins بننے کے لئے درست amino acids کی selection ہوئی، اسی طرح Nucleotids بننے کے لئے درست sugars کی selection ہو گئی۔

clay کی اہمیت اور اس کا role زندگی کو شروع کرنے میں بڑا اہم تھا۔ قرآن نے اس کی بہت پہلے نشاندہی کر دی تھی اور بڑی وضاحت سے مختلف stages بھی بتا دیں جن کے الفاظ پر غور کرنے سے ارتقاء کا عمل سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

مثلاً مندرجہ ذیل الفاظ۔ طِيْن، طِيْنٍ لَّازِب، صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْن، صَلْصَالٍ كَالْفَخَّار

بنیادی طور پر ان سب کا polymerization یعنی chemical evolution سے تعلق ہے اسی طرح ان

[1] Biology (Second Edition) by Claude A. Villee and others Saunders Collage Publishing p:.473

الفاظ کا تعلق خاص molecules کے ملنے سے اور پھر forcess کو تیز کرنے سے اور اس کے بعد ان سب چیزوں کی organization سے بھی ان الفاظ کا تعلق ہے۔

یہی وہ چیزیں ہیں جن سے پھر Biology (یعنی زندہ cell بننے کا عمل) کی طرف سفر شروع ہوا یعنی سادہ chemistry سے پھر biochemistry کا آغاز ہوا جس کی کچھ جھلکیاں ہم دیکھتے ہیں۔

مٹی میں ''مردہ'' سے cell ''زندگی'' تک کا سفر

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۔(البقرۃ: 29)

ترجمہ: تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو جبکہ تم مردہ تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کیا۔

ہم نے پچھلے صفحات میں سائنس کی بنیاد پر دیکھا کہ زمین پر زندگی کی ابتدا سے قبل کئی طریقوں سے اسے ٹھیک ٹھاک کیا گیا تا کہ یہاں زندگی بن سکے پھر ایک لمبی مدت ارتقاء کی چلتی رہی اور آخر کار یہ کرۂ ارض ایک خوبصورت Biosphere میں تبدیل ہو گیا یعنی زمین کے covers (سَبْعَ سَمٰوٰت)،اس کی سطح پر پانی اور خشکی (land) اور دونوں میں انواع واقسام کے جاندار (life) بن گئے جن کی وجہ سے اسے Biosphere کہتے ہیں۔

زمین 4.5 بلین سال قبل بنی تھی اور اسے Biosphere بننے میں لگ بھگ 4 بلین سال لگے۔ لیکن زندگی کی اکائی (cells) بننے میں بہت کم عرصہ لگا۔ سائنس دانوں کا خیال ہے آج سے 3.5 بلین سال قبل cells بن چکے تھے اور ان کی بے شمار اقسام تھیں اس کا مطلب ہے زندگی کی ابتدا اس سے بہت پہلے ہوئی۔ ہو سکتا ہے 4 بلین سال قبل۔ cells بننے کے بعد نہ صرف زمین کا atmosphere تبدیل ہونا شروع ہوا ہو بلکہ زمین کی ساخت geology بھی بدلتی رہی ہو کیونکہ اس میں کئی قسم کے factors کام کر رہے تھے مثلاً چاند۔ آسمانی طاقتیں energies اور forces۔

لیکن زندگی کے ارتقاء کا عمل پانی پر ہی منحصر تھا اس لئے سمندر اور اس کے ساحل کے قریب ہی یہ عمل ہوتا رہا۔ سب سے اولین زندگی جو سورج سے توانائی لے کر food اور آکسیجن بنا رہی تھی یعنی photosynthesis کر رہی تھی وہ Cyanobacteria کہلاتے تھے اور آج بھی موجود ہیں۔ اس کے بعد زندگی evolution کے مختلف مراحل سے گزرتی رہی چنانچہ آج جو بے شمار قسم کی زندگی مختلف organisms کی شکل میں ہماری زمین پر موجود ہے ان میں ایسے traces

پائے جاتے ہیں جن سے ماضی کے اس ارتقاء کا علم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی Biologists کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ حتمی طور پر جان سکیں کہ کس طرح یہ ارتقاء ہوتا رہا، اس ارتقاء کے نتیجہ میں زندگی کی کون کون سی قسمیں ختم ہوئیں اور پھر نئی صورت میں وہ زندگی emerge ہوتی رہیں۔ البتہ cells کے بننے کے لئے کون کون سے مراحل تھے اس کے لئے خالق کائنات نے خود ہماری راہنمائی کر دی ہے اور اسی کی بنیاد پر ہم cells بننے کے عمل کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

<u>قرآن شریف میں مختلف آیات میں ارتقاء کا سفر</u> مٹی (تُرَاب) سے شروع ہوتا ہے اور دراصل یہ شعور (consciousness) کا سفر ہے، اندھیروں سے روشنی کا سفر ہے، chemistry سے biology کا سفر ہے۔ simple (inorganic) سے complex (organic) کا سفر ہے۔ پھر بڑے molecules(macromolocules) بننے کا process(polymerization) ہے جیسے کہ proteins اور nucleic acids (RNA, DNA) اور اس کے علاوہ lipids۔

اس کے بعد ان compounds نے خود کو بڑی symmetrical شکل دی۔ ان کی بڑی درست (precise) اور صحیح (accurate) formation بنی جس کی وجہ سے زندگی کے اجزاء کی مقدار (quantity) اور (quality) یعنی خاصیت کا خاص اہتمام کیا گیا (جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خَلَقَ كُلَّ شَيۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِيۡرًا (الفرقان:3)) جب سب کچھ درست مقدار میں اور صحیح طریقے سے پانی کے حقیر سے قطرے (مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ) میں arrange ہو گیا تو اسے ایک غلاف میں cover کیا گیا اور وہ cell کہلایا۔ پھر اسے "شعور" دیا گیا جس کے بعد اس کی مشینری switch on ہو گئی اور وہ کام کرنے لگا اور ایک زندہ cell بن گیا۔(living unicellular organism)

قرآن بتاتا ہے کہ یہ لاکھوں سالوں پر محیط عمل کیسے اور کہاں ہوتا رہا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ۔(الروم: 21)

ترجمہ: اور اس کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم بشر بن کر پھیل گئے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ۔(الحج: 6)

ترجمہ: اے لوگو! اگر تم جی اٹھنے کے بارے میں شک کرتے ہو تو یقیناً ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ۔(المومن: 68)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اولاً تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۔(فاطر: 12)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تمہیں جوڑے بنایا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۔(المومنون: 13،14)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا اور ایک ٹھہرنے کی جگہ پر رکھا۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۔(المرسلات: 21 تا 24)

ترجمہ: کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا پھر اسے ایک جگہ پر رکھا ایک معلوم وقت تک پھر ترکیب دی پس ہم کیسی عمدہ ترکیب دینے والے ہیں۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا ۔(الانعام: 3)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہیں گیلی مٹی سے پیدا کیا پھر ایک مدت مقرر کی۔

الَّذِىْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۔(حٰم السجدہ: 8،9)

ترجمہ: وہی ہے جس نے ہر چیز کو بہت اچھا بنایا اور اس نے انسان کی پیدائش کا آغاز گیلی مٹی سے کیا۔ پھر اس نے اس کی نسل ایک حقیر پانی کے خلاصہ سے بنائی۔

ان آیات اور اس کے علاوہ اور بہت سی آیات کو بغور سمجھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ origin of life یعنی cell بننے کے لئے بہت سی stages تھیں۔ نیز کئی factors بھی اس ارتقاء کو facilitate کر رہے تھے جن میں سے چاند کا role بہت اہم تھا اسی طرح "جن" یعنی bacteria کا کردار بھی اہم رہا اسی طرح clay بھی بہت اہم رہی۔ ان سب کے بارے میں قرآن میں آیات موجود ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۔(الحجر: 27،28)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو گلے سڑے کیچڑ سے بنے ہوئے کھنکتے ٹھیکروں سے پیدا کیا اور جنوں کو ہم نے اس سے پہلے گرم ہوا کی آگ سے پیدا کیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۔(الرحمٰن: 15،16)

ترجمہ: اس نے انسان کو خشک کھنکتی مٹی جو پکی ہوئی (آگ میں) کی طرح ہو گئی سے پیدا کیا اور جنوں کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۔(الصّٰفٰت: 12)

ترجمہ: پس تو ان سے پوچھ کیا خلق کرنے کے لحاظ سے وہ زیادہ مضبوط ہیں یا جنہیں ہم نے پیدا کیا۔ یقیناً ہم نے انہیں ایک چمٹ جانے والی مٹی سے پیدا کیا۔

پس تخلیق کے لحاظ سے ایک لمبا عرصہ جو لگ بھگ 4 بلین سال کا ہے اس کی تقسیم کچھ اس طرح معلوم ہوتی ہے۔

1۔ کائنات میں بننے والے ingredients جن میں سے سب سے اہم پانی۔ دوسرے simple organic compounds جیسے amino acids اور sugars۔ اور نائٹروجن والی bases اور nucleotides نیز hydrocarbons۔ (جن میں سے اکثر کا ذکر کیا جا چکا ہے)

2۔ زمین پر compounds کے ملنے (polymerization) سے بہت اہم organic compounds بنے جیسے کہ lipids- proteins اور nucleotids۔

3۔ ان اہم compounds نے اپنی خوبصورت شکلیں (shapes) اپنائیں یہ سب پانی کے اندر بڑے systematic طریقے سے ہو رہا تھا۔

4۔ ان compounds نے خود کو درست انداز میں arrange کیا۔ منظم کیا اور پانی کے محلول میں ایک covering کے اندر سب کچھ enclose ہو گیا۔ یہ cell تھا جس کی "مشینری" جب کام کرنے لگی تو یہ ایک Biological یونٹ یعنی زندہ cell (Unicellular organism) کہلایا۔

جب ہم origin of life کی بات کرتے ہیں تو اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ سب کیسے اور زمین پر کہاں کہاں ہوا ہو گا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ اتنی accuracy اور تناسب خود بخود spontaneous ہو گیا ہو۔ اس chemical evolution سے Biological Unit بننے کے عمل کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ

پروٹین کیا ہے اس کی کیمسٹری کیا ہے؟ اور وہ کیسے بنتی ہے۔ اس کو سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ ایک cell اور ہر جاندار کی ساخت میں بے شمار قسم کی proteins ہیں۔ cell کی membrane یعنی غلاف میں lipid اور proteins ہوتے ہیں۔ cytoplasm میں مختلف قسم کی proteins ہوتے ہیں جن کو enzyms کہتے ہیں یہ ہر قسم کے کیماوی عمل (chemical reactions) کے لئے ضروری ہیں۔

Cell کے nucleus کی covering بھی پروٹین اور lipids سے بنی ہے۔ cell (مثلاً Eukaryote) کا DNA بہت سے proteins مالیکیولز کے گرد لپٹا ہوتا ہے اور coil ہو کر تھوڑی سی جگہ پر nucleus میں رہتا ہے۔

پروٹین کے بعد سب سے اہم component جو cell کی "کتاب" ہے یعنی وہ information جو وہ اپنے اندر رکھتا ہے وہ DNA (Deoxyribo Nucleic acid) ہے جو نسل در نسل آگے چلتا ہے وہ کیسے بنا ہو گا؟ اس کا structure مختصراً سمجھنا سب سے ضروری ہے اسی کے اندر خالق نے خود codes کی form میں information کو store کر دیا۔ یہ کام کبھی بھی خود بخود نہ ہو سکتا تھا۔

اس information کو "لکھنے" کے لئے ایک بہت ذہین Mind کی ضرورت تھی۔ جو درست طریقے سے اس کی arrangement کا کام کر رہا تھا۔ DNA کی نسبت RNA زیادہ سادہ ہے جو بہت اہم chemical ہے کیونکہ life بنانے کے لئے اس کا بھی بہت اہم role ہے۔ اس کی unique خصوصیات کے باعث سائنس دانوں کا خیال ہے کہ نہ صرف یہ پہلے بنا ہو گا بلکہ پروٹین اور DNA بننے میں بھی اسی نے مدد کی ہو گی۔

(جاری ہے)

اے سننے والو سنو!

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”آجکل کے دنیا کے حالات جو ہیں ان کے بارہ میں اس وقت میں ایک دعا کے لیے بھی کہنا چاہتا ہوں۔...اگر بڑی طاقتیں اپنے دوہرے معیار نہ رکھتیں یا نہ رکھیں تو اس قسم کی بدامنی اور جنگیں دنیا میں ہو ہی نہیں سکتیں۔ پس ان دوہرے معیاروں کو ختم کرو تو جنگیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ یہی باتیں میں اسلام کی تعلیم کی روشنی میں ایک عرصے سے کہہ رہا ہوں لیکن سامنے تو یہ کہتے ہیں ٹھیک ہے لیکن عمل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔......

یہ لوگ جس کی لاٹھی اس کی بھینس پر عمل کرتے ہیں۔ جن کے ہاتھ میں دنیا کی معیشت ہے ان کے آگے ہی انہوں نے جھکنا ہے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو لگتا ہے کہ بڑی طاقتیں جنگ بھڑکانے پر تُلی ہوئی ہیں بجائے اس کو ٹھنڈا کرنے کے۔ یہ لوگ جنگ ختم کرنا نہیں چاہتے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جنگوں کے خاتمے کے لیے بڑی طاقتوں نے لیگ آف نیشنز بنائی لیکن انصاف کے تقاضے پورے نہ کرنے اور اپنی برتری قائم رکھنے کی وجہ سے یہ ناکام ہو گئی اور دوسری جنگ عظیم ہوئی اور کہتے ہیں سات کروڑ سے زیادہ جانیں ضائع ہوئیں۔ اب یہی حال یو این (UN) کا ہو رہا ہے۔ بنائی تو اس لیے گئی تھی کہ دنیا میں انصاف قائم کیا جائے گا اور مظلوم کا ساتھ دیا جائے گا۔ جنگوں کے خاتمے کی کوشش کی جائے گی لیکن ان باتوں کا دُور دُور تک پتہ نہیں۔ اپنے مفادات کو ہی ہر کوئی دیکھ رہا ہے۔

اب جو اس بے انصافی کی وجہ سے جنگ ہو گی اس کے نقصان کا تصور ہی عام آدمی نہیں کر سکتا اور یہ سب بڑی طاقتوں کو پتہ ہے کہ کتنا شدید نقصان ہو گا۔ لیکن پھر بھی انصاف قائم کرنے پر کوئی توجہ نہیں ہے اور توجہ دینے پر کوئی تیار بھی نہیں ہے۔

ایسے حالات میں مسلمان ملکوں کو کم از کم ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ اپنے اختلافات مٹا کر اپنی وحدت کو قائم کرنا چاہیے۔...ایک ہوں گے، وحدت ہو گی تو آواز میں بھی طاقت ہو گی ورنہ معصوم مسلمانوں کی جانوں کے ضائع ہونے کے یہ لوگ ذمہ دار ہوں گے، مسلمان حکومتیں ذمہ دار ہوں گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے اور یہ ان طاقتوں کا کام ہے رکھیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو۔ پس اس اہم بات کو سمجھیں۔...

بہر حال ہمارے پاس تو دعا ہی کا ہتھیار ہے اسے ہر احمدی کو پہلے سے بڑھ کر استعمال کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ بڑی طاقتوں کو بھی یہ توفیق دے کہ وہ دونوں طرف انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے امن قائم کرنے والی بنیں۔ یہ نہیں کہ ایک طرف جھکاؤ ہو جائے اور دوسری طرف کا حق مارا جائے۔ ظلم و زیادتی میں بڑھنے والی نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم دنیا میں امن و سلامتی دیکھنے والے ہوں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 اکتوبر 2023ء، روزنامہ الفضل انٹرنیشنل 3 نومبر 2023ء صفحہ 5،6)

Monthly

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131

Editor: Mahfooz ur Rehman

OCTOBER 2025 | IKHA 1404(HS)| RABI UL SANNI 1447(HQ)| VOL.14 NO.10

اگر ہر بال ہو جائے سخن ور   تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے رسالہ ”موازنہ مذاہب“ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

”ایک (نیا) رسالہ جاری کیا گیا........ تھا۔ یہ ماہانہ رسالہ ہے ”موازنہ مذاہب“ جو یہاں یوکے سے چھپتا ہے اور اس میں بڑے اچھے علمی اور تحقیقی مضامین ہوتے ہیں۔ لوگوں کو بڑے پسند آرہے ہیں، اس کی ضرورت تھی اور گو اس وقت اس کی تعداد کم ہے لیکن اس کے بارے میں میں کہنا چاہتا ہوں جو لوگ اردو پڑھنا جانتے ہیں اُن کو اس رسالہ کا خریدار بننا چاہیئے۔ اس میں کافی اچھے مضامین ہیں بلکہ بعض مضامین کے ترجمے کر کے ریویو آف ریلیجنز میں بھی شائع کئے جارہے ہیں۔“

(دوسرے دن کا خطاب، جلسہ سالانہ یوکے 2012ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 9 اگست 2013، صفحہ 2)

Publishers: Additional Wakalat Tasneef
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK
Email: office@tasneef.co.uk
https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib